فرحت اشتیاق

خشبو بادل چاند ہوا

ناولٹ

"سارہ کے ایکسرے اور دیگر رپورٹس کچھ اتنی زیادہ حوصلہ افزا نہیں آئی ہیں۔" ڈاکٹر فاروق شاہ کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔ وہ پاپا سے اس کا کیس ڈسکس کر رہے تھے۔

وہ بظاہر بند آنکھوں سے ان کی گفتگو سن رہی تھی۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ اس کی ریڑھ کی ہڈی جو کار ایکسیڈنٹ میں متاثر ہوئی تھی۔ پر فی الحال کسی بھی قسم کا کوئی زور نہیں پڑنا چاہیے ورنہ خدانخواستہ وہ تمام عمر کے لیے بھی معذور ہو سکتی ہے۔

"اف! یہ ڈاکٹر فاروق اور ان کی خطرناک قسم کی باتیں۔" سارہ نے چڑ کر سوچا۔

اس نے قصداً ان دونوں کی باتوں سے اپنا ذہن ہٹا کر سونے کی کوشش شروع کر دی۔ مگر نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

"اب پتا نہیں کب تک اس قید خانے میں پڑا رہنا پڑے گا اور پتا نہیں اب میں ٹھیک ہو بھی پاؤں گی یا نہیں۔" وہ دل گرفتگی سے سوچ رہی تھی۔ "بس یہی ایک کسر رہ گئی تھی۔ کیا واقعی میں معذور ہو جاؤں گی۔" سوچتے سوچتے وہ دواؤں کے زیرِ اثر کچھ ہی دیر میں غافل ہو گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

صبح اس کی آنکھ کھلی تو اماں نرس سے کچھ بات کر رہی تھیں۔ اس کو جاگتا دیکھ کر نرس جلدی سے اس کی طرف بڑھی۔

"گڈ مارننگ میڈم! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی۔" انتہائی پیشہ ورانہ قسم کی مسکراہٹ چہرے پر سجا کر پوچھا گیا۔

"اماں! میں چائے پیوں گی۔" نرس کو نظر انداز کر کے وہ اماں سے مخاطب ہوئی اور اماں کیونکہ ان تیوروں اور انداز کی عادی تھیں۔ چنانچہ بڑے اطمینان سے چائے بنانے کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ نرس بے چاری شرمندہ شرمندہ سی اس کے پاس ہی کھڑی ہوئی تھی۔

"میڈم! آپ کا بی پی چیک کرنا ہے۔" لہجہ بھی کچھ

سما سما سا تھا۔

"کیوں؟" انتہائی کاٹ دار لہجے میں دریافت کیا گیا۔ "مجھے کوئی بی پی وی پی چیک نہیں کروانا ہے۔ جائیے آپ یہاں سے۔" پتا نہیں ڈھیر سارے آنسو اچانک کہاں سے آ گئے تھے جنہیں اس نے بڑی بے دردی سے رگڑ رگڑ کر صاف کر ڈالا۔

"اماں! میں آپ کو بتا رہی ہوں' بس آج ہی مجھے گھر جانا ہے۔"

"ہاں ہاں بیٹا چلیں گے۔ ابھی تھوڑی دیر میں آپ کے پاپا آئیں گے تو ان کے ساتھ چلیں گے۔" وہ قریب آ کر چھوٹے بچوں کی طرح اس کو بہلانے کی کوشش کرنے لگیں۔

نرس بے چاری تو جلدی جلدی بی پی اپریٹس سنبھال کر فوراً ہی نو دو گیارہ ہو گئی تھی۔ "اف یہ ان امیرزادیوں کے نخرے نہ ہوتی یہ اس وی آئی پی روم کی مریضہ اور نہ ہوتی یہ ڈاکٹر فاروق کی کچھ لگتی تو دو منٹ میں دماغ ٹھیک کر دیتی۔" دل ہی دل میں بڑبڑاتی وہ دوسرے کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

صبح کی چیخ پکار کے بعد باقی کا تمام دن اس نے بالکل خاموشی سے گزارا تھا۔ شام کو وزیٹنگ آورز میں پاپا اور ماما دونوں کو ایک ساتھ آتا دیکھ کر اسے کافی حیرت ہوئی تھی۔

"کیسی ہو سوئٹ ہارٹ؟" ماما نے اس کے گال پر پیار کرتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں۔" مختصر جواب دے کر وہ دونوں کی طرف دیکھنے لگی۔

"دیکھ لیا تم نے اپنی ریش ڈرائیونگ کا انجام۔" پاپا نے کڑے تیوروں کے ساتھ کرسی سنبھالتے ہوئے لیکچر شروع کیا۔

"افتخار! آپ بھی حد کرتے ہیں' آتے ہی شروع ہو گئے۔ اس نے جان بوجھ کر تو ایکسیڈنٹ نہیں کیا تھا۔" وہ کوفت زدہ سی شکل بنائے ماما کی باتیں سن رہی تھی۔

ماما اس کی سوتیلی ماں تھیں۔ وہ صرف دو سال کی تھی تو اس کی ممی کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ عابدہ عرفان یعنی ماما یونیورسٹی میں پاپا کے ساتھ پڑھتی تھیں اور دونوں ایک دوسرے کو پسند بھی کرتے تھے مگر ظالم سماج یعنی دادا جان نے دو محبت بھرے دلوں کو ایک نہ ہونے دیا اور پاپا کی مرضی کے خلاف اپنی بھتیجی یعنی سارہ کی ممی کو بہو بنا کر گھر لے آئے۔ جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی خاصی کارگر ثابت ہوئی تھی اور پاپا کے سر سے عشق کا بھوت اتر گیا تھا۔ یہ سارا قصہ اسے عالیہ پھوپھو نے سنایا تھا مگر پھر ہوا کہ اس کی ممی خدا سے بہت تھوڑی عمر لکھوا کر لائی تھیں اور شادی کے صرف تین سال بعد دو سال کی بچی کو چھوڑ کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئیں اور ڈیڈی نے ممی کے چالیسویں کے بعد جو سب سے پہلا کام کیا وہ عابدہ عرفان سے شادی تھا۔

عابدہ عرفان اور اس کے بیچ روایتی سوتیلی ماں بیٹی والے تعلقات نہیں تھے۔ نہ تو ماما ہی کوئی ظالم اور ڈراؤنی قسم کی سوتیلی ماں تھیں اور نہ ہی وہ کوئی بے چاری سنڈریلا ٹائپ لڑکی تھی۔ ان دونوں کے بیچ اگر کوئی تعلق تھا تو وہ سرد مہری اور لاتعلقی کا تھا۔ دونوں کے لیے ایک دوسرے کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔ وہ اماں کے ہاتھوں پلی بڑھی تھی۔ دس پندرہ منٹ اس کے پاس بیٹھ کر جب ماما' پاپا جانے لگے تو اس نے بڑی ہمت کر کے آخر پاپا سے بات کرنے کا سوچا۔

"پاپا! میں گھر جانا چاہتی ہوں۔ دیکھیں نا یہاں بھی تو صرف بیڈ ریسٹ ہی کر رہی ہوں۔"

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس کی بات مکمل ہونے سے پہلے ہی پاپا نے اسے ٹوک دیا۔ "جب تک ڈاکٹر فاروق اس بات کی اجازت نہیں دیں گے تمہیں یہیں رہنا ہے۔ اگر کوئی کومپلیکشن (پیچیدگی) ہو گئی تو کیا ہو گا۔ پیر میں فریکچر جو ہے سو ہے مجھے زیادہ فکر ریڑھ کی ہڈی کی ہے۔ ڈاکٹر فاروق نے کہا ہے کہ صرف اور صرف مکمل آرام ہی تمہارا علاج ہے اور مجھے پتا ہے گھر میں تم کسی کے قابو میں آنے والی نہیں ہو۔ میں پندرہ بیس روز کے لیے امریکہ جا رہا ہوں مجھے

ساری کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے جیسا ڈاکٹرز کہیں کرنا۔" پاپا نے حکم صادر فرما کر اس کا موڈ آف کر دیا۔

"اماں! آپ اس کا دھیان رکھیے گا۔"

♥ ♡ ♡ ♥

"اماں! یہ آپ کیا کیا اٹھا لائیں؟" اماں اور ان کے پیچھے پیچھے رشید کو ڈھیر سارا سامان اٹھا کر لاتے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

"بس بیٹا! میں نے سوچا' آپ نے تو صرف کتابیں ہی منگوائی ہیں۔ میں کچھ چیزیں خود سے بھی لے آؤں۔" اماں ہانپتی کانپتی صوفے پر ٹک کر پسینہ پونچھنے لگیں اور رشید تمام سامان اس کے پاس لا کر رکھنے لگا تاکہ وہ دیکھ لے۔

"اماں! آپ بھی حد کرتی ہیں۔" سارہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ "ابھی اگر ڈاکٹر فاروق یا ان کا کوئی چیلا ادھر آ گیا تو یہی سمجھے گا کہ میں یہاں آڈیو کیسٹس کی کوئی دکان کھولنے والی ہوں۔" ڈھیر سارے آڈیو کیسٹس واک مین' کتابیں' میک اپ کا سامان اور پتا نہیں کیا کیا اس کے ارد گرد بکھرا پڑا تھا۔

"بیٹا! آپ بور ہوتی ہیں ناں اس لیے۔" اماں پیار سے اسے دیکھ کر بولیں۔

"اچھا خیر' آپ لے آئیں۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔" اماں کے خلوص سے وقتی طور پر وہ متاثر ہو گئی تھی ورنہ اس کا خیال تھا کہ اماں کی محبت اس نے پیسے دے کر خریدی ہوئی ہے۔ ہر مہینہ ایک لمبی چوڑی رقم جب وہ گھر اپنی بیوہ بیٹی کے پاس بھجواتیں تو یہ احساس کچھ اور گہرا ہو جاتا تھا اور خیر اب وہ کوئی چھوٹی سی بچی بھی نہیں رہی تھی چاہتی تو پاپا سے کہہ کر اماں کو فارغ کروا سکتی تھی لیکن مطلب کی ہی سہی وہ اس محبت کی عادی ہو گئی تھی۔

اماں تو کچھ دیر بعد "ذرا میں باہر کا ایک چکر لگا لوں" کہہ کر جا چکی تھیں اور یہ چکر ڈیڑھ دو گھنٹے پر مشتمل ہو گا۔ یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اماں کی باتونی طبیعت سے تو وہ اکثر ہی بیزار ہو جاتی تھی۔

"ارے اماں! یہ ٹیلی اسکوپ بھی اٹھا لائیں۔" اب جو اپنے گرد بکھرے سامان پر بغور نظر دوڑائی تو ٹیلی اسکوپ بھی نظر آئی۔ یہ ٹیلی اسکوپ (دوربین) پچھلے سال اس کے ماسٹرز کمپلیٹ (Complete) ہونے پر عامر نے گفٹ کیا تھا۔

"یہ بھئی میں اپنی پیاری سی چھوٹی سی بہن کے لیے خاص قسم کا تحفہ لایا ہوں۔" عامر اور آمنہ نے اس شام اسے پاس ہونے کی خوشی میں ٹریٹ دی تھی۔

"اس میں کیا ہے عامر؟" آمنہ سدا کی بے صبری جلدی سے تحفے پر جھپٹ پڑی۔ "بہت برے ہو تم تحفہ خرید لیا اور مجھے دکھایا تک نہیں۔"

"بیگم صاحبہ! اس میں آپ کے مطلب کی کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ ذرا پڑھے لکھے سائنٹیفک قسم کی سوچ رکھنے والے لوگوں کے کام کی چیز ہے۔ سارہ! ذرا تم اس کا گفٹ کھول کر دیکھو' میں شرط لگاتا ہوں کہ اس میں سے سوٹ یا جیولری کے علاوہ کچھ برآمد ہونے والا نہیں ہے۔" عامر نے شوخ مسکراہٹ کے ساتھ آمنہ کو چڑانے کی کوشش کی۔

"ہاں ہاں دنیا میں دو ہی تو پڑھے لکھے ہیں' جاہل جٹ تو بس ہم ہی ہیں۔ شادی کی اتنی جلدی نہ مچاتے تو آج میں بھی اس کمینی کی طرح ایم ایس سی اور گینگ کیمسٹری کی ڈگری ہاتھ میں لیے اترائی ہوئی بیٹھی ہوتی۔" حسبِ توقع آمنہ خوب اچھی طرح چڑ چکی تھی۔

"میری چندا! تب بھی باٹنی یا زولوجی میں تو آپ کو داخلہ مل سکتا تھا اور گینگ میں ذرا مشکل ہی تھا۔" سارہ لفظ "کمینی" پر احتجاجاً عامر کے ساتھ مل گئی۔

"بیٹا! کھول کر تو دیکھو اس میں ہے کیا؟" عامر کی امی نے جو اتنی دیر سے ان لوگوں کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں' جھگڑا ختم کرانے کی کوشش کی۔

"لیجیے آنٹی! ابھی کھولتے ہیں ہم۔" سارہ نے جلدی جلدی خوب صورت پیکنگ پیپر اتارا تو اس میں سے ایک ٹیلی اسکوپ برآمد ہوئی۔

"واہ واہ! کیا سائنٹفک قسم کا تحفہ ہے۔" آمنہ ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئی تھی۔
"ارے بھئی، یہ کوئی عام ٹیلی اسکوپ نہیں ہے، جو آپ مذاق اڑا رہی ہیں۔" عامر نے آمنہ کے ہنسنے کی پروا کیے بغیر کہا۔
"پتا ہے سارہ! یہ میں تمہارے لیے ٹوکیو سے لایا ہوں وہاں اتفاقاً" ایک سائنسی نمائش میں جانا ہوا، بس اسی وقت میں نے سوچ لیا کہ یہ اپنی پیاری بہن کو تحفے میں دوں گا۔" عامر کو شوق تھا عام روایتی چیزوں سے ہٹ کر مختلف قسم کے تحفے دینے کا۔
"دیکھو اس میں کتنے سارے فنکشنز ہیں۔ اس کی پاور بھی کم اور زیادہ کر سکتے ہیں فرض کرو کہ تم یہ دیکھنا چاہ رہی ہو کہ سامنے والی آنٹی کی انگوٹھی میں کون سا پتھر لگا ہوا ہے اور وہ کس رنگ کا ہے تو یہ بھی تم دیکھ سکتی ہو۔" عامر نے سامنے والے مکان کی طرف اشارا کر کے کہا جہاں کھڑکی کے پاس ایک خاتون کھڑی تھیں۔
"ارے واہ! یہ تاک جھانک آپ ہی کو مبارک ہو، میری دوست کوئی ایسی ویسی ہے۔" آمنہ برا مان کر بولی تھی۔ ہوا کا تیز جھونکا اسے خیالوں کی دنیا سے باہر کھینچ لایا۔
"پتا نہیں آمنہ اور عامر بھائی کیسے ہوں گے میرے ایکسیڈنٹ کا تو انہیں معلوم بھی نہیں ہو گا، پورے چھ مہینے ہو گئے ہیں ان لوگوں کو گئے ہوئے۔ صرف تین مرتبہ فون پر بات ہوئی ہے اور دو مرتبہ عامر بھائی کی ای میل آئی ہے۔ ویسے، بہت، بہن، بہن کہتے تھے، اب کتنی جلدی بھول گئے ہیں۔ میں بھی بس ان لوگوں سے پکی ناراض ہوں اور وہ ذلیل بچپن کی دوست ہاں بھئی شادی کے بعد کون سی دوست کیسی دوست۔" وہ بڑے غصے اور خفگی کے ساتھ ان لوگوں کو یاد کر رہی تھی۔
آمنہ اس کے بچپن کی اکلوتی سہیلی تھی، جو بی ایس سی کرتے ہی پیا جی یعنی عامر کو پیاری ہو گئی تھی، آج کل اسپین میں مقیم تھی۔ دراصل عامر پی آئی اے میں ملازم تھا اور تین سال کی پوسٹنگ پر چھ ماہ پہلے ہی وہ لوگ میڈرڈ روانہ ہوئے تھے۔
"چلو بھئی، اس ٹیلی اسکوپ کے ہی تھوڑے مزے لیے جائیں۔ بقول آمنہ کے تاک جھانک کی جائے۔" اس نے ٹیلی اسکوپ آنکھوں سے لگا کر مسکراتے ہوئے سوچا اس کا بیڈ کھڑکی کے قریب ہی تھا۔ چنانچہ وہ بڑے آرام سے یہاں وہاں نظریں دوڑانے لگی۔ گزرتی گاڑیوں کا جائزہ کچھ دیر لینے کے بعد بور ہو کر اس نے زاویہ بدل کر سامنے بلڈنگ کی طرف کر دیا۔ کچھ کمروں کی کھڑکیاں بند تھیں، البتہ کچھ میں چہل پہل نظر آ رہی تھی یہ غالباً" کوئی آفس تھا۔ وہ مختلف لوگوں کا جائزہ لینے لگی ذرا اور جو زاویہ بدلا ایک موصوف جن کی پشت اس کی طرف تھی کھڑے نظر آئے۔
"واؤ کمرے کا انٹیریئر تو زبردست ہے۔ غالباً" موصوف کسی اونچی پوسٹ پر ہیں۔" وہ دل ہی دل میں سوچنے کے ساتھ ساتھ پورے کمرے کا جائزہ بھی لیتی جا رہی تھی۔ وہ شاید پرنٹر پر کوئی کام کر رہا تھا کیونکہ ایک کے بعد ایک پیپر وہ پرنٹر سے نکالتا نظر آ رہا تھا۔
"ہائٹ تو زبردست ہے چھ فٹ سے تو کیا کم ہو گی۔ سرکار اب ذرا رخ روشن کا دیدار بھی کرا دیجیے۔" اس کے یہ کہنے کی دیر تھی کہ وہ مڑا اور مڑ کر اپنی سیٹ پر بیٹھ گیا۔
"زبردست بھئی بندہ جی بھر کر ہینڈسم ہے۔" سارہ نے اس بلیک پینٹ اور وائٹ شرٹ میں ملبوس شخص کو دل ہی دل میں سراہا۔
"ابھی آمنہ یہاں ہوتی تو کہتی کہ یہ اتنا ہینڈسم اور ڈیشنگ بندہ یہاں کیا کر رہا ہے اسے تو فوراً" ہالی ووڈ کا رخ کرنا چاہیے۔" سارہ مسکراتے ہوئے سوچ رہی تھی۔
"لیکن اس طرح کسی کو دیکھنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔" اچانک اسے دماغ نے سمجھایا "بلکہ یہ نہایت ہی گھٹیا حرکت ہے۔" خود کو برا بھلا کہہ کر اس نے ٹیلی اسکوپ ایک طرف رکھ دی۔

"خیر اب یہ کوئی اتنی بری بات بھی نہیں ہے۔" اس کے دل نے سمجھایا۔ "یہاں اس سڑے ہوئے ہسپتال میں تقریباً" معذوروں کی طرح پڑے ہوئے یہاں کوئی مجھ سے بات کرنے والا بھی نہیں ہے اگر تفریحاً" یہاں وہاں دیکھ رہی ہوں تو یہ کوئی بری بات نہیں ہے۔ پڑے پڑے بور ہونے سے تو بہتر ہے کچھ دیر کو "فریش" ہی ہو جائے۔" اپنے دل کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس نے دوبارہ ٹیلی اسکوپ آنکھوں سے لگائی۔ اب وہ سر جھکائے کچھ لکھنے میں مصروف تھا سارہ نے اس کا تفصیلی جائزہ لیا۔
"عامر بھائی نے بتایا تو تھا اس کی پاور کیسے بڑھاتے ہیں۔" اسے اپنی کم عقلی پر دل بھر کر رونا آیا "کیا تھا اگر میں اس وقت غور سے عامر بھائی کی بات سن لیتی۔" یونہی دو چار بٹن دبائے تو منظر پہلے کے مقابلے میں زیادہ واضح ہو گیا۔
اچانک اس نے لکھتے لکھتے سر اوپر اٹھایا تو اس کی آنکھیں بھی نظر آئیں گہری براؤن کلر کی آنکھیں جن میں سنجیدگی اور ذہانت نظر آ رہی تھی۔ اس کی شخصیت بہت گریس فل تھی۔
"اس سے زیادہ ہینڈسم شخص میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا۔" اچانک اس نے اپنے آپ سے کہا "بس اس انجیکشنز، ڈرپس اور دواؤں سے مزین بورنگ ماحول میں تو میرا خیال ہے، مجھے رشید بھی کافی اسمارٹ اور ڈیشنگ لگے گا۔" اس نے خود اپنا ہی مذاق اڑایا۔
وہ اپنے سامنے موجود فائل کو بند کرتا ہوا کھڑا ہو گیا برابر والے کمرے کا دروازہ کھول کر ایک اور صاحب اندر داخل ہوئے انہوں نے اس کو کوٹ ہینگر سے اتار کر اسے پکڑایا۔ عجیب سی شان بے نیازی اس شخص کے ہر انداز سے جھلک رہی تھی۔ یعنی جیسے اسے اپنے علاوہ دنیا میں کسی سے کوئی دلچسپی نہ ہو آنکھوں پر سن گلاسز چڑھا کر اور اپنا موبائل اٹھا کر وہ باہر نکل گیا تھا اور وہ صاحب، جو غالباً" سیکریٹری تھے اس کا بریف کیس اٹھا کر خراماں خراماں اس کے پیچھے چل دیے تھے۔
"سوری بیٹا! آپ بور ہو رہی ہوں گی، باتوں میں وقت کا اندازہ ہی نہیں ہوا۔" اماں کمرے میں داخل ہو کر عادت کے مطابق نان اسٹاپ شروع ہو گئی تھیں۔
"اماں! کیا ٹائم ہوا ہے؟" سارہ نے ٹیلی اسکوپ واپس رکھ کر پوچھا۔
"بیٹا! پانچ بج رہے ہیں۔"
"اچھا تو وہ آفس ٹائم ختم ہونے پر اٹھ کر گیا ہے۔" سارہ نے اماں کے جواب پر دل میں سوچا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلی صبح وہ آٹھ بجے ہی اٹھ گئی تھی۔ اماں حیران تھیں کہ روزانہ تو یہ دس بجے بھی بمشکل اٹھتی ہے جب ڈاکٹر راؤنڈ پر آتا ہے آج کیا ہوا ہے۔
"اماں! یہ ذرا میرے بیڈ کو تھوڑا اوپر کر دیں۔" کیونکہ اسے ہلنے جلنے میں بھی سخت احتیاط کی تاکید کی گئی تھی چنانچہ اس نے اماں سے کہا۔
اماں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے سرہانے کی جگہ کو اونچا کر دیا۔
"اب یہ کھڑکی پر سے پردے ہٹا دیں اور میری ٹیلی اسکوپ بھی دے دیں۔" نیا حکم جاری کیا گیا۔
"بیٹا! پہلے ناشتہ وغیرہ تو کر لو۔" اماں بے چاری حیران پریشان کہ یہ کیا ماجرا ہے۔
"ہاں تو ناشتہ منہ سے کروں گی۔" چڑ کر جواب دیا گیا اور ٹیلی اسکوپ آنکھوں کے آگے لگا لی گئی اس کے کمرے کی کھڑکیاں اور پردے وغیرہ سب بند تھے۔
"اف کہیں ایسا نہ ہو وہ آج کھڑکیاں پردے بند ہی رکھے۔" بڑی دل گرفتگی کے ساتھ سوچا گیا۔
اچانک سامنے کمرے کے پردے کھلے پھر اس کے بعد وہی کل والے سیکریٹری صاحب نے کھڑکیاں بھی کھول دیں۔
"بھئی اب آپ سامنے سے ہٹ جائیں، ہم یہاں ایک گھنٹے سے انتظار میں سوکھ رہے ہیں۔" اس نے سیکریٹری کے کھڑکی میں کھڑے رہنے پر جل کر سوچا۔
ٹھیک نو بجے کمرے کا دروازہ کھلا اور وہ اندر آیا۔

سیکریٹری صاحب نے وہی "کیا حکم ہے میرے آقا" کی طرح فوراً "انٹری دی تھی۔ آج وہ گرے کلر کے سوٹ ڈارک بلو ٹائی اور آف وائٹ شرٹ میں ملبوس تھا۔ سیکریٹری صاحب پر ایک نگاہِ غلط ڈالے بغیر وہ اپنا کوٹ انہیں تھمانے کے ساتھ ساتھ کسی سے موبائل پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اچانک وہ کسی بات پر بے ساختہ ہنسا تھا۔

"سنجیدگی کی طرح اس کی ہنسی بھی بڑی پیاری ہے۔" سارہ نے خود سے کہا۔ "مگر یہ کس سے بات کر رہا ہے شاید اپنی بیوی سے خیر شادی شدہ تو یہ کہیں سے بھی نہیں لگ رہا۔ شادی کے بعد لوگ اتنے خوش تو نہیں رہتے۔" خود ہی اپنے خیال کو غلط قرار دیا۔ "یا پھر شاید اپنی منگیتر سے، خیر اتنا فضول تو نہیں لگتا کہ صبح ہی صبح وہ بھی آفس ٹائمنگ میں منگیتر صاحبہ سے بات کرے گا۔ بھئی ضروری ہے کیا کہ وہ کوئی لڑکی ہی ہو ہو سکتا ہے اس کے کسی دوست کا فون ہو۔" وہ خود ہی اپنے آپ سے سوال و جواب کر رہی تھی وہ اب اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

سیکریٹری صاحب کمرے سے جا چکے تھے۔ ایک اور صاحب نے اب اندر انٹری دی تھی، اور غالباً" ڈائری کھولے ہوئے اس میں سے کچھ پڑھ کر سنا رہے تھے۔ فون وہ بند کر چکا تھا اور اب ادھر ادھر کچھ تلاش کرتے ہوئے بڑی غیر دلچسپی سے ان کی حکایات سن رہا تھا۔

"تو یہ حضرت اتنی دیر سے لائٹر تلاش کر رہے تھے۔" اسے سگریٹ سلگاتا دیکھ کر اس نے بڑے دکھ سے سوچا۔ "یہ مجھے اتنا افسوس کس خوشی میں ہو رہا ہے، اگر وہ سگریٹ پی رہا ہے تو پیے میری بلا سے مگر اسے سگریٹ پینے کی وجہ سے ٹی بی ہو سکتی ہے، کینسر ہو سکتا ہے اللہ نہ کرے۔" فوراً "دل میں کہا گیا۔

"لیکن اس کے سگریٹ پینے کا انداز کتنا خوب صورت ہے۔" "اگر جیمز کیمرون اسے دیکھ لے تو فوراً" اپنی اگلی فلم میں سائن کر لے مگر افسوس یہ پرسنالٹی، یہ اسٹائل یہاں کراچی میں چھپا کا چھپا رہ جائے گا ہاں بھئی جنگل میں مور ناچا کس نے دیکھا۔" وہ اپنی یہ بچکانہ حرکتیں اور باتیں خود ہی خوب انجوائے کر رہی تھی۔

سیکریٹری واپس جا چکا تھا۔ اب وہ اپنی لمبی چوڑی میز کے کونے میں رکھے کمپیوٹر پر کچھ کام کر رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کبھی ماؤس پر ہوتے اور کبھی وہ کی بورڈ پر جلدی جلدی کچھ ٹائپ کر رہا ہوتا کافی دیر وہ یہ تماشا دیکھتی رہی۔ اماں اسے ٹیلی اسکوپ کے ساتھ مصروف دیکھ کر کب کی "دورے" پر روانہ ہو چکی تھیں۔

ٹیلی فون کی بیل پر اس نے جھنجلا کر ریسیور کان سے لگایا تھا اور بڑی بے دلی سے ہوں ہاں کر رہا تھا، شاید یہ کمپیوٹر پر کچھ ضرور کام کر رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے یہ اپنے کام کو بڑی لگن کے ساتھ کرتا ہے، یعنی ذمہ دار آدمی ہے۔" سارہ نے اس کے بارے میں ایک اور اچھی رائے قائم کی۔

اسی وقت کمرے کا دروازہ کھول کر ایک خوش پوش اور ہینڈسم نوجوان اندر داخل ہوا جسے دیکھ کر ذمہ دار صاحب فوراً" کھڑے ہو گئے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کر کچھ خطرناک قسم کے قہقہے لگائے گئے۔

"اگر یہ ٹریفک کا شور کچھ کم ہوتا تو یہ قہقہے یقینی طور پر میں سڑک پار بھی سن سکتی تھی۔"

نووارد خاصے بے تکلف دوست معلوم ہو رہے تھے۔ کیونکہ وہ خود تو واپس اپنی سیٹ پر بیٹھ چکا تھا جبکہ وہ اس کی ٹیبل پر چڑھ کر بیٹھ گیا تھا۔ تھوڑی دیر وہ آپس میں کچھ بات چیت کرتے رہے اور پھر دونوں ہی اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔

"اوفوہ! اب یہ پتا نہیں واپس کب آئے گا۔" سارہ نے بڑے افسوس سے سوچا اور ٹیلی اسکوپ سائیڈ میں رکھ دی۔

"عامر بھائی! آپ کا گفٹ ان بیکار ترین دنوں میں میرے لیے خوب کار آمد ثابت ہو رہا ہے۔" اس نے دل ہی دل میں عامر کا شکریہ ادا کیا۔

پھر وقفے وقفے سے کئی بار اس نے چیک کیا مگر ہر بار مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

"لگتا ہے اب یہ کل ہی آئے گا، ہو سکتا ہے، کسی میٹنگ میں گیا ہو۔" وہ خود ہی قیاس آرائیاں کرنے میں مصروف تھی۔

تین بجے کھانے اور دواؤں کو بددلی سے حلق سے نیچے اتار کر جو دوبارہ چیک کیا تو سواری بادِ بہاری آ چکی تھی۔ سامنے دو تین افراد اور بیٹھے ہوئے تھے اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ خدا معلوم کیا گفتگو ہو رہی تھی۔ سیکریٹری صاحب بھی وہیں موجود تھے اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد کچھ بول بھی رہے تھے۔ ذرا غور کرنے سے پتا چلا کہ یہ شاید "یس سر" کا وظیفہ پڑھ رہے ہیں۔

"یہ شخص انتہا درجے کا عیار، مکار اور چاپلوس ہے۔" سیکریٹری کے بارے میں اس نے ابھی تازہ تازہ یہ رائے قائم کی تھی۔ "اس جیسے ذہین آدمی کو کم از کم اس قسم کے "چمچے" اپنے اردگرد نہیں رکھنے چاہئیں۔ کسی وقت کوئی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔" سارہ نے بڑی ہمدردی سے سوچا۔

پھر وہ میٹنگ شام پانچ بجے اختتام پذیر ہوئی۔ اسے شاید کہیں جانے کی جلدی تھی اس لیے وہ اور لوگوں سے بھی پہلے کمرے سے نکل گیا تھا۔ سب سے آخر میں سیکریٹری کمپیوٹر وغیرہ آف کر کے کمرے سے باہر نکلا کچھ ہی دیر بعد سیکریٹری نے آکر کھڑکیاں اور پردے بند کر دیے۔

"اب پھر کل صبح کا انتظار شروع۔ اسے پتا بھی نہیں ہوگا کہ ایک لڑکی صبح سے لے کر شام تک اتنے انہماک سے اسے دیکھا کرتی ہے۔" وہ بڑی دل گرفتگی سے سوچ رہی تھی۔

اگلی صبح وہ پھر آٹھ بجے بیدار ہو کر اپنے تمام کاموں سے فارغ ہو چکی تھی مگر یہ کیا یہاں تو نو کیا دس بجنے والے ہیں۔

"ارے کہیں آج سنڈے تو نہیں ہے اوہ نو۔"

"اماں! آج کیا دن ہے۔" دل ہی دل میں سوچتے اس نے اماں کو مخاطب کیا۔

"اتوار ہے بیٹا! کیوں کوئی کام ہے؟" اماں کا جواب حسبِ توقع تھا۔

"ایک تو یہ اتوار بھی پتا نہیں اتنی جلدی جلدی کیوں آجاتا ہے۔" اسے سخت غصہ آ رہا تھا۔ "اس سے تو اچھا تھا۔ میں سوتی رہتی ہاں بھئی ہمارے لیے کیا سنڈے کیا منڈے۔" اس نے بڑے غمزدہ انداز میں سوچا۔

"ہمارا تو ہر دن ہی چھٹی کا دن ہے نہ کوئی پوچھنے والا نہ کوئی دیکھنے والا باپ امریکہ میں ڈالر کما رہا ہے اور کسی کو میری کیا پروا ہے۔" اس پر پھر قنوطیت کا دورہ پڑا تھا۔ اصل غصہ تو آج اتوار ہونے کا تھا، مگر اس بہانے اور بھی پتا نہیں کیا کیا یاد آنا شروع ہو گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اگلے روز وہ بڑے اہتمام سے کل کی مایوسی، کوفت اور غصہ بھلائے دوبارہ اس کے انتظار میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کی اس نئی "مصروفیت" نے اماں کو کم از کم بڑا سکون عطا کیا تھا۔ اسے ناشتے اور دواؤں وغیرہ سے فارغ کروا کر "میں ابھی آئی" کا نعرہ لگاتی وہ جا چکی تھیں۔ اب تو یہ فکر بھی نہیں تھی کہ وہ اکیلی پریشان اور بور ہو رہی ہو گی۔ جہاندیدہ خاتون تھیں۔ بچی کی اس نئی مصروفیت کا پس منظر بغیر ٹیلی اسکوپ آنکھوں سے لگائے جانتی تھیں۔

وہی پرسوں والی ساری کارروائی کسی رٹی رٹائی کی طرح چل رہی تھی۔ مگر وہ بغیر کسی بھی قسم کی اکتاہٹ کا شکار ہوئے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ کبھی وہ کمپیوٹر مصروف ہوتا، کبھی فون پر اور کبھی اپنے کسی کولیگ کی آمد پر اس کے ساتھ گفتگو کرتا۔

اسے شاید کسی نے یہ بتایا ہوا تھا کہ تم اپنے who cares والے اس اسٹائل میں بہت زبردست لگتے ہو۔ اسی لیے یہ کسی سے بھی بات کر رہا ہو یوں محسوس ہوتا ہے۔ گویا مخاطب سے بات کر کے اس کی دس نسلوں پر احسان کر رہا ہو۔ ابھی وہ یہ سب سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک ایک لڑکی بڑے بے دھڑک انداز میں اس کے کمرے میں داخل ہوئی۔ کی بورڈ پر چلتی اس کی انگلیاں لڑکی کو دیکھ کر رک گئیں اور

باچھیں یہاں سے وہاں تک چر گئیں۔
زبردست قسم کی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑے ہو کر محترمہ کا خیر مقدم کیا گیا۔
"ہونہہ! حضرت بتیسی کی نمائش تو یوں کر رہے ہیں، جیسے کلوزاپ کے ایڈ میں کام کر رہے ہوں۔" وہ بلاوجہ تپ رہی تھی۔
لڑکی اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ چکی تھی اور اب دونوں بڑے زور و شور سے خوب مسکرا مسکرا کر آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ نیلی آنکھیں، خوب گورا رنگ، شہد رنگ کے کمر تک کے بال جنہیں اس نے ڈھیلے ڈھالے انداز میں بینڈ لگا کر پونی کی شکل دی ہوئی تھی۔ اسٹائلش قسم کا بلیک سوٹ جو اس کی گوری رنگت پر خوب سج رہا تھا۔
"سب میک اپ کا کمال ہے یہ لمبے بال، وہ تو میں نے کبھی سنجیدگی سے بال بڑھانے کی کوشش نہیں کی، ورنہ اس سے لمبے ہی ہوتے میرے بال۔ خیر میرے اوپر یہ شولڈرز تک کی لیئرز کٹنگ بہت سوٹ کرتی ہے۔"
"میری جان انگور کھٹے ہیں۔" کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔
"لو خوامخواہ" وہ نئے سرے سے اپنے آپ سے ہی چڑ گئی۔
"میرا بس چلے تو ان محترمہ کی کس کر چوٹی باندھ دوں۔" اس لڑکی کے پانچویں مرتبہ بینڈ بالوں سے نکالنے اور پھر دوبارہ لگانے پر اس نے جل کر سوچا۔
"گھر سے کس کر بال باندھ کر نہیں آسکتی تھیں۔ سب اسٹائل ہیں، جان بوجھ کر اپنی لمبی زلفوں کا اسیر بنانے کے لیے اور ان موصوف کو بھی تو دیکھو کیسے بچھے چلے جا رہے ہیں، جیسے اس سے خوب صورت لڑکی آج تک دیکھی ہی نہ ہو۔ میرے پاس اس کے گھر کا فون نمبر ہو تو اس کی امی سے ضرور ہی شکایت کروں گی کہ آپ کے صاحبزادے آفس آورز میں کام کرنے کے بجائے حسیناؤں سے ملاقاتیں فرماتے ہیں۔"
اب وہ مانیٹر پر اشارے سے لڑکی کو کچھ دکھا رہا تھا اور خود اس کی نظریں بھی مانیٹر پر جمی ہوئی تھی مگر محترمہ بجائے مانیٹر کے موصوف کو دیکھ رہی تھیں۔ چہرے پر بڑے حسرت ناک قسم کے تاثرات سجے ہوئے تھے۔
اچانک اس نے اسکرین پر سے نظریں ہٹا کر خاتون کو دیکھا اور غصے سے کچھ کہا، خاتون فوراً سیدھی ہو کر اسکرین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ پھر ایک بجے وہ دونوں اٹھ کر کمرے سے باہر چلے گئے۔
"اب شاید یہ دونوں ایک ساتھ لنچ کریں گے۔" بہت غم سے سوچا گیا۔
اس کے متعلق سوچتے سوچتے جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ جب وہ سو کر اٹھی تو پانچ بجنے والے تھے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر ٹیلی اسکوپ اٹھائی وہ شاید اپنے آفس سے اٹھ رہا تھا سیکریٹری اس کے ساتھ چلتا ہوا جلدی جلدی کچھ بولتا بھی جا رہا تھا جب کہ وہ بڑی خاموشی سے اپنے سن گلاسز اور موبائل اٹھا کر اس کی باتیں سنتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔
اس بلڈنگ کی یہ بیک سائیڈ تھی اس لیے سارہ نے کبھی اس کو آتے جاتے نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ ہسپتال کا مین گیٹ اسی روڈ پر تھا، بیچ میں موجود روڈ بہت زیادہ چوڑا نہیں تھا اور اس پر صرف ون وے ٹریفک چلتا تھا۔ سارہ بے دلی سے اب روڈ پر ادھر ادھر نگاہیں دوڑا رہی تھی۔ کتنی گاڑیاں اور کتنے لوگ یہاں سے وہاں بھاگتے دوڑتے کراچی کی تیز رفتار زندگی کا ساتھ دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ اچانک بلیک کلر کی ایک گاڑی نے زوردار طریقے سے بریک لگائے۔ سارہ نے چونک کر اس طرف دیکھا۔ سامنے والی بلڈنگ سے ذرا آگے وہ گاڑی رکی تھی اور اب اس میں سے ایک صاحب برآمد ہوئے تھے "ارے" سارہ حیران رہ گئی۔
"یہ تو وہی ہے۔" اس کی گاڑی کے سامنے ایک ضعیف خاتون کھڑی تھیں۔ خاتون تو خیر صحیح سلامت تھیں مگر ان کے ہاتھوں میں موجود سامان شاید زمین پر گر گیا تھا جسے وہ خاتون اب جلدی جلدی اٹھانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ چونکہ یہ حادثہ روڈ کے بالکل کنارے پر ہوا تھا۔ اس لیے اردگرد چلتا ٹریفک قطعاً

متاثر نہیں ہوا تھا وہ اپنے شاندار سوٹ کی پروا کیے بغیر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر ان کی چیزیں اٹھوانے لگا۔ پھر جب تمام چیزیں اٹھالی گئیں تو وہ بڑی بی سے کچھ بات کرنے لگا جو کہ سارہ کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ مگر تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ معذرت کر رہا ہے۔ بات کرتے کرتے اس نے اپنا والٹ نکالا اور پانچ سو روپے بڑی بی کے ہاتھ میں پکڑانے چاہے پہلے تو وہ انکار کرتی رہیں مگر پھر رکھ لیے۔ تین چار منٹ کی گفت و شنید کے بعد اس نے بڑی بی کو بھی اپنی گاڑی میں بٹھایا اور گاڑی آگے بڑھ گئی۔

"ارے یہ روڈ پر کیا گرا ہے۔؟" سارہ جو ابھی تک وہیں دیکھ رہی تھی۔ کلوز کرنے پر اسے ایک کارڈ نظر آیا۔

"میرا خیال ہے کہ ابھی جب یہ بڑی بی کو پیسے دے رہا تھا تو یہ کارڈ اسی کے والٹ سے گرا ہے یا ہو سکتا ہے یہ پہلے سے گرا ہوا ہو۔" اس نے خود ہی اپنے خیال کی نفی کی۔

"اوہ' اب کیا ہو سکتا ہے اور کیا نہیں ہو سکتا یہ سوچنا فضول ہے۔" سارہ نے خود کو ڈانٹا۔

"اماں! میری بات سنیں۔" سارہ نے جلدی سے اماں کو مخاطب کیا جو ٹی وی پر کوئی ڈرامہ دیکھنے میں مصروف تھیں۔

"کیا بات ہے بیٹا؟" اماں وہیں بیٹھے بیٹھے بولیں۔ بغیر اسکرین سے نظریں ہٹائے۔

"آپ یہاں آئیں ناں پلیز جلدی سے۔" سارہ کی بے چینی عروج پر تھی اماں اس کو تعجب سے دیکھتے ہوئے پاس آگئیں۔

"یہ دیکھیں سامنے روڈ پر جو کارڈ پڑا ہوا ہے ناں آپ یہ مجھے اٹھا کر لادیں۔" سارہ نے بڑی بے چینی سے کہا۔

"کارڈ؟ کیسا کارڈ؟" اماں حیران پریشان اس کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

"اور ایک تو آپ سوال جواب بہت کرتی ہیں۔" سارہ نے چڑ کر کہا "یہ ٹیلی اسکوپ سے دیکھیں' بالکل سامنے وہ کارنر پر سامنے والی بلڈنگ سے ذرا آگے وہ جہاں سے ابھی ایک اسکوٹر والا گزرا ہے۔" اماں کی آنکھوں سے ٹیلی اسکوپ لگانے کے ساتھ ساتھ انہیں جائے وقوع بھی سمجھانے کی کوشش زور و شور سے کر رہی تھی۔

"ہاں ہاں آگیا نظر۔" اماں خوش ہو کر بولیں۔

"شکر ہے' سارہ نے گہری طمانیت بھری سانس لی۔ اب مزید کوئی انویسٹیگیشن کیے بغیر یہ کارڈ مجھے اٹھا کر لادیں۔ جلدی کریں ناں کہیں وہ ہوا سے نہ اڑ جائے۔" اماں حیران یہ ساری تقریر سننے کے ساتھ ساتھ اپنا دوپٹہ سنبھالتی دروازے کی طرف بڑھ گئیں۔

"اور راستے میں کہیں اپنی سہیلیوں سے مذاکرات مت شروع کر دیجیے گا۔ اگر کوئی روکے بھی تو کہہ دیجیے گا کہ بعد میں بات کروں گی دیکھیں یہ کارڈ مجھے ہر قیمت پر چاہیے۔ ورنہ میں رات کا کھانا بھی نہیں کھاؤں گی اور دوا بھی نہیں پیوں گی۔" اماں نے کمرے سے نکلتے نکلتے یہ تمام احکامات اور دھمکیاں سنی تھیں۔

"لو بیٹا۔" ہانپتی کانپتی اماں نے اندر داخل ہو کر کارڈ اس کے ہاتھ میں پکڑایا تو سارہ کو تھوڑی سی شرمندگی بھی ہوئی بے چاری اماں کو اس عمر میں میری وجہ سے اتنی بھاگ دوڑ کرنی پڑی اور ایک وہ تھا جو ایک بالکل میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس گندی بوڑھی عورت کو اپنے برابر اپنی شاندار گاڑی میں بٹھا کر لے گیا۔

"خیر میں بھی اماں کا بہت خیال رکھتی ہوں' کبھی نوکر سمجھ کر ان سے بات نہیں کرتی۔" اپنے مزاج کے عین مطابق فوراً" خود کو تسلی دی گئی اور کارڈ پر نظر دوڑائی بہت خوب صورت کریم کلر کے کارڈ پر خوب صورت اور قدرے ابھرے ہوئے الفاظ میں سیاہ روشنائی سے لکھا ہوا تھا "ولید حسن خان" نیچے عوام الناس کو متاثر کرنے کے لیے کسی قسم کی ڈگریوں کا کوئی ذکر نہیں تھا بلکہ صرف اتنا لکھا تھا کہ اس فرم یعنی ایچ کے ایسوسی ایٹس کا وہ مالک تھا۔ اس سے نیچے آفس کا ایڈریس' تین چار فون نمبرز فیکس نمبر اور ای۔

ریس لکھا ہوا تھا۔

ب پتا نہیں یہ اس کا وزیٹنگ کارڈ ہے بھی یا ہو سکتا ہے اس کے کسی دوست کا ہو اور یہ بھی تو ہے کہ یہ کارڈ سرے سے اس کا ہو ہی نا' بلکہ کے آنے سے پہلے ہی وہاں گرا ہوا ہو۔" کارڈ کو ٹیبل کی دراز میں ڈالتے ہوئے اس نے سوچا۔

♥ ♡ ♡ ♥

سارہ کو اس کا مطالعہ کرتے ہوئے بیس پچیس روز چکے تھے۔ صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک کا یہ ن وہ بڑے مصروف انداز میں اردگرد سے تقریباً" ن کر گزارتی تھی اب تو وہ یہ بھی بتا سکتی تھی کہ وہ ں میں بیٹھ کر تقریباً" آٹھ دس سگریٹ پی جاتا ہے چار یا پانچ کپ چائے کے تو بہت ہی شوق سے پیتا

اتنے دن لگاتار اس کو دیکھتے رہنے کے بعد اس کے ے میں جو رائے سارہ نے اخذ کی تھی وہ کچھ یوں ی کہ اس بندے کا ظاہر جتنا خوب صورت ہے' ن اس سے کہیں زیادہ دلکش ہے۔ ذمہ دار' محنتی' ت کا پابند' اپنے ماتحتوں کے ساتھ ایک خشک مزاج مگر آفس سے باہر ایک ہمدرد انسان۔ جسے اپنے ے کا کوئی غرور نہ ہو۔ کیا کبھی زندگی میں میری اس ے ساتھ بات چیت ہوگی۔ یا بس میں اس کو دور دور سے دیکھ کر رہ جاؤں گی۔ سارہ اکثر یہ بات سوچتی۔ اس ت رات کے دو بج رہے تھے۔ جب سارہ کی اچانک کھ کھل گئی۔ دن بھر کی "مصروفیت" کے بعد وہ رات دس بجے ہی سو جایا کرتی تھی اب جو آنکھ کھلی تو بیزاری ہوئی۔

لو اب تو نیند بھی دوبارہ مشکل ہی سے آئے گی نے دوسرے بیڈ پر بے خبر سوتی اماں کو رشک سے کھا۔

آنکھیں بند کر کے پانچ دس منٹ سونے کی کوشش مگر بے سود آخر کار تنگ آ کر ٹیبل لیمپ آن کیا پاس رکھی کتاب اٹھانے ہی لگی تھی کہ اچانک اس نظر سامنے پڑی۔

پوری بلڈنگ اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ روڈ لائٹس بھی بند تھیں اسے کچھ شک سا ہوا کہ اس کے کمرے میں شاید ہلکی سی روشنی ہو رہی ہے۔ اتنی دور سے کچھ واضح نظر نہیں آرہا تھا۔ سارہ نے جلدی سے ٹیلی اسکوپ اٹھا کر آنکھوں سے لگائی۔ کمرے میں اسے دو تین انسانی ہیولے سے نظر آئے۔ روشنی اتنی کم تھی کہ باوجود کوشش کے وہ کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی۔ ان میں سے ایک کے ہاتھ میں غالباً" ٹارچ تھی۔ اس کی روشنی ہی نے سارہ کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ "یہ کیا ہو رہا ہے' کیا کوئی چوری یا کچھ اور؟" اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اچانک کمرا روشن ہو گیا وہ تین لوگ تھے' دو کی پیٹھ اس کی طرف تھی اور ایک جس نے شاید لائٹ ابھی ابھی آن کی تھی اس کی طرف منہ کیے ہوئے تھا۔

"یہ کون ہے؟" وہ اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگی۔

"نہیں اسے میں نے اس سے پہلے کبھی اس آفس میں نہیں دیکھا۔" اس نے ذہن میں ان تمام لوگوں کو جنہیں وہ یہاں آتا جاتا۔ دیکھتی رہی تھی سوچتے ہوئے آخر کار کہا۔ وہ ایک تیس بتیس سال کا جوان تھا۔ حلیہ اور شکل صورت اسے پڑھا لکھا اور معزز ظاہر کر رہے تھے۔ اب وہ باقی دونوں ساتھیوں سے کچھ بات کرنے لگا تھا۔ اس کی بات کا جواب دینے کے لیے ان دونوں میں سے ایک مڑا تو اس کو دیکھ کر وہ دھک سے رہ گئی شاید نہیں بلکہ یقیناً" وہ سیکریٹری تھا۔

"اوہ تو میرا شک صحیح تھا یہ سیکریٹری کا بچہ میر جعفر' آستین کا سانپ۔ جس تھالی میں کھاتا ہے' اسی میں چھید کر رہا ہے۔" اس نے غصے میں دو تین محاوروں کو یکجا کیا۔

"مگر ضروری تو نہیں ہے کہ یہ کوئی گڑبڑ ہی کر رہے ہوں ہو سکتا ہے کہ آفس ہی کا کوئی کام ہو۔" اس کے دل نے کہا۔ "آفس کا کام رات کے دو بجے وہ بھی چوروں کی طرح ٹارچ کی روشنی میں۔" دماغ نے مذاق اڑایا۔

اب وہ تینوں مل کر اس کی آفس ٹیبل کی دراز

کھولنے کی کوشش کر رہے تھے، پندرہ بیس منٹ کی جدوجہد کے بعد وہ دراز کھولنے میں کامیاب ہو گئے اور اس میں سے بڑی احتیاط کے ساتھ کوئی فائل سیکریٹری نے خود اپنے ہاتھ سے نکالی۔ تیسرا آدمی جو اپنی شکل و صورت اور تلوار مار کہ مونچھوں سے کوئی چھٹا ہوا بدمعاش یا کرائے کا قاتل نظر آ رہا تھا۔ ہاتھ میں ریوالور تھامے سیکریٹری اور اس جوان سے پہلے ہی باہر نکل گیا تھا۔ سب سے آخر میں سیکریٹری نے کمرے پر اچھی طرح ایک نظر ڈال کر یعنی گڑبڑ کے آثار مٹا کر کمرے سے باہر نکلنے لگا تو اس کی نظر کھلے پردوں اور کھڑکیوں پر پڑی وہ جلدی سے آگے بڑھا اور کھڑکیاں بند کرنے لگا تو سارہ کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔

جلدی سے ٹیلی اسکوپ رکھی اور لیمپ بھی آف کر دیا۔ تھوڑی دیر میں جب ذرا حواس بحال ہوئے تو خود اپنے آپ پر ہی ہنسی آئی۔

"میں بھی پاگل ہوں، اتنے اندھیرے میں وہ بھی اتنی دور سے اسے میں نظر ہی کہاں آ رہی ہوں گی۔ وہ کمینہ تو اپنی چوری کے آثار مٹانے کے چکروں میں تھا۔ خدا بھلا کرے چپراسی کا جو شاید آج غلطی سے یہ پردے بند کرنا بھول گیا تھا۔ ورنہ ان کے اتنے مذموم اقدام کا عینی شاہد کوئی بھی نہ ہوتا، لیکن اب مجھے کرنا کیا چاہیے؟ کیا چپ چاپ خاموش تماشائی بنی رہوں اور پرائے پھڈے میں ٹانگ نہ اڑاؤں۔ نہیں یہ انتہا درجے کی خود غرضی ہے۔ وہ اتنا اچھا انسان ہے اور اس بے چارے کو تو معلوم بھی نہیں ہو گا کہ اس کے گرد کیسی کیسی سازشیں ہو رہی ہیں۔ دوست نما دشمن کیسے اسے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔ مجھے ضرور اس کی مدد کرنی چاہیے۔" اس نے خود اپنے آپ کو سمجھایا۔

"مگر کیسے؟" یہ سوال خاصا پریشان کن تھا۔ سوچتے سوچتے اچانک اس کا دھیان وزیٹنگ کارڈ کی طرف چلا گیا۔

"میں صبح ہی اسے فون کروں گی۔ کوئی بات نہیں اگر وہ اس کا نمبر نہ ہوا" ٹرائی کرنے میں کیا حرج ہے اگر فون پر بات نہ ہو سکی تو پھر میں کوئی دوسرا راستہ اختیار کروں گی۔ لیکن یہ طے ہے کہ مجھے اس کی مدد ضرور کرنی ہے۔" فجر کی اذان ہونے تک وہ پکا ارادہ کر چکی تھی۔ پھر بڑی بے چینی سے اس نے صبح ہونے کا انتظار کیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"اماں! یہ ذرا فون مجھے پکڑا دیں۔" اسے اپنی سیٹ سنبھالتے دیکھ کر سارہ نے فوراً" اماں کو مخاطب کیا۔ حکم کی تعمیل ہوئی۔ فون اپنے پاس رکھ کر وہ اماں سے بولی۔

"کیا بات ہے، آج آپ ابھی تک اپنے دورے پر روانہ نہیں ہوئیں۔" اماں نے بڑی معنی خیز مسکراہٹ سے اسے دیکھا اور بولیں۔

"ہاں، جا رہی ہوں۔"

"اچھا تو پھر جائیں ناں۔" سارہ ان کی بے وقت کی مسکراہٹ سے چڑ کر بولی۔ اماں کے باہر نکلتے ہی سارہ نے ادھر دیکھا۔ وہ بہت انہماک سے کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

"یہی موقع اچھا ہے۔ اس وقت اس کے کمرے میں کوئی اور بھی نہیں ہے۔" اس نے جلدی جلدی سب سے اوپر لکھا ہوا نمبر ڈائل کر دیا۔ دوسری طرف پہلی ہی بیل پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔

"السلام و علیکم، ایچ کے ایسوسی ایٹس۔" ایک خوب صورت نسوانی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

"وعلیکم السلام۔" سارہ نے تھوک نگلتے ہوئے کہا "مجھے ولید حسن خان صاحب سے بات کرنی ہے۔" دل بہت زور زور سے دھڑک رہا تھا اور ہاتھ پاؤں بالکل ٹھنڈے ہو گئے تھے۔ اپنی اس کیفیت پر اسے خود پر بے انتہا غصہ آ رہا تھا۔

"آپ کون بات کر رہی ہیں؟۔" دوسری طرف بڑی تہذیب اور شائستگی سے دریافت کیا گیا۔

"میں ان کی کزن بول رہی ہوں، آپ پلیز میری ان سے ذرا جلدی بات کروا دیجیے۔" اب کے اس نے بھی ذرا سا رعب پیدا کرنے کی کوشش کی۔ یہ تو وہ سوچ چکی تھی کہ کزن بن کر فون کرنا ہے۔ غالباً" اس کے اعتماد اور رعب سے متاثر ہو کر اس نے ہولڈ کرنے کے لیے کہا۔

"مجھے اپنے اندر اعتماد پیدا کرنا چاہیے۔" وہ خود سے مخاطب تھی جب آپریٹر کی آواز آئی۔

"آپ بات کریں۔" ہاتھ پاؤں باقاعدہ کانپ رہے تھے جب اس نے ایک خوب صورت مردانہ آواز سنی۔

"یس ولید اسپیکنگ۔" "اوہ شکر میں نے صحیح نمبر ڈائل کیا ہے، سامنے اس کو ریسیور کان سے لگاتے دیکھ کر سارہ نے خوش ہو کر سوچا۔ یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ آج اس سے مخاطب ہے۔

"ہیلو۔" اب کے ذرا جھنجلائی ہوئی آواز کانوں میں پڑی تو وہ ایک دم چونک گئی۔

"السلام علیکم۔" سارہ نے اس پر سلامتی بھیجی۔

"وعلیکم السلام"۔

لہجہ اچھا خاصا خشک تھا ایک آدھ سیکنڈ اس نے شاید سارہ کے کچھ بولنے کا انتظار کیا۔ پھر بولا۔

"خاتون! آپ کون بول رہی ہیں، میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟" یوں لگ رہا تھا کہ جھنجلاہٹ کو دبا کر شائستگی کا زبردست مظاہرہ کیا جا رہا ہو۔

"دیکھیں، مجھے آپ سے ایک بہت ہی ضروری بات کرنی ہے۔" سارہ نے جلدی جلدی جملہ مکمل کیا۔

"مگر پہلے اپنا تعارف کروائیے۔" برجستہ جواب موصول ہوا۔

"نام کو آپ رہنے دیں، بس یہ سمجھیں کہ میں آپ کی ایک خیر خواہ بات کر رہی ہوں اور۔۔" ابھی جملہ اس کے منہ میں ہی تھا کہ زوردار آواز کے ساتھ ریسیور پٹخ دیا گیا۔

سارہ نے گھور کر ریسیور کو دیکھا "حد ہے بدتمیزی کی، میری بات پوری سنی بھی نہیں موصوف نے اور لے کے ریسیور پٹخ دیا۔ ایک تو ان ہی کے فائدے کی بات بتا رہی تھی سچ ہے نیکی کا زمانہ ہی نہیں رہا ہے۔" سارہ نے جل کر سوچا۔

ادھر اب وہ فون اٹھا کر کسی پر بری طرح برس رہا تھا۔ انداز سے لگ رہا تھا کہ اپنے کسی ماتحت کی کلاس لی جا رہی ہے کچھ ہی دیر بعد وہ اپنی تازہ ترین تواضع بھلائے پھر مدر ٹریسا بنی اس کا موبائل نمبر ملا رہی تھی۔ دوسری طرف کافی بیلوں کے بعد بہت برے موڈ کے ساتھ ہیلو کہا گیا۔

دیکھیں، میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں، آپ میری پوری بات سن لیں پلیز۔" سارہ نے بڑی عاجزی سے جلدی جلدی اپنی بات مکمل کی۔

"محترمہ! میں گمنام کالز پر بات نہیں کرتا، کوئی اور نمبر ٹرائی کریں۔" وہ شاید موبائل آف کرنے والا تھا۔

"پلیز! اگر آپ نے میری بات نہ سنی تو مجھے ساری زندگی افسوس رہے گا کہ میں آپ کی کوئی مدد نہ کر سکی۔ دیکھیں، میں کوئی ایسی ویسی لڑکی نہیں ہوں آپ کا کیا چلا جائے گا۔ اگر آپ صرف دو منٹ اپنے قیمتی وقت میں سے نکال کر میری بات سن لیں، پلیز فور گاڈ سیک۔" سارہ نے اچھی خاصی بھرائی ہوئی آواز میں التجا کی۔

دوسری طرف ایک گہری سانس لی گئی۔ "فرمائیے" اب کے لہجہ قدرے نرم تھا۔

"دیکھیں، آپ کے اردگرد آپ کے خلاف سازشیں ہو رہی ہیں۔ اور ان سازشوں میں آپ کے بہت قریبی لوگ انوالو ہیں۔" سارہ نے اس کے نرم لہجے کو محسوس کر کے قدرے سکون سے جواب دیا۔

"اچھا مثلاً کون لوگ۔؟" دوسری طرف قدرے استہزائیہ انداز میں دریافت کیا گیا۔

"وہ جو نکلو۔" وہ کہتے کہتے رک گئی۔ "آئی ایم سوری مجھے ان صاحب کا نام نہیں معلوم مگر وہ جو نجے سے ہیں اور پچھلے ایک ہفتے سے کریم کلر کا سفاری سوٹ پہن کر آ رہے ہیں شاید آپ کے سیکریٹری وہی جو پولیو نڈ گلاسز لگاتے ہیں۔" وہ اٹک اٹک کر بول رہی تھی اچانک اسے محسوس ہوا جیسے دوسری طرف وہ

ہنس رہا ہے یا ہنسی روکنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ اتنی حواس باختہ ہو گئی تھی کہ ٹیلی اسکوپ سے دھیان ہی ہٹ گیا تھا۔ دوبارہ جلدی سے ٹیلی اسکوپ آنکھوں سے لگائی تاکہ اس کے تاثرات معلوم ہو سکیں۔

"اچھا تو آپ فہیم صاحب کی بات کر رہی ہیں۔" اچانک وہ اپنی کرسی پر سے کھڑا ہو گیا "بائی داوے فہیم صاحب آپ کو خواب میں آکر بتا گئے تھے کہ وہ میرے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔" اب کے لہجہ خاصا دوستانہ تھا چلتے چلتے وہ کھڑکی میں آکر کھڑا ہو گیا تھا اور ادھر ادھر لاپروائی سے نظریں دوڑانے کے ساتھ ساتھ اس سے بھی مخاطب تھا۔

"نہیں، مجھے میرے ایک جاننے والے نے بتایا تھا اور وہ کیونکہ ان تمام واقعات سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھنا چاہتا ہے، اس لیے اس نے یہ ذمہ داری مجھے سونپی ہے کہ میں آپ تک یہ اطلاع پہنچا دوں۔ وہ آپ کا بہت بڑا خیر خواہ اور ہمدرد ہے اور آپ کے ان فہیم صاحب کی کرتوتوں کا عینی شاہد بھی ہے۔" سارہ نے بڑی خود اعتمادی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔ آہستہ آہستہ اس کا ازلی اعتماد لوٹ کر آ رہا تھا۔

"آپ ذرا تفصیل سے بتائیں تاکہ میں آپ کی بات اچھی طرح سمجھ سکوں۔" نرم اور میٹھے لہجے میں بات کرتا وہ مسلسل یہاں وہاں کھڑکی میں کھڑا پتا نہیں کیا دیکھ رہا تھا۔

"اس نے مجھے بتایا ہے کہ رات کو آپ کے یہی فہیم صاحب اور دو اور لوگ جن میں ایک تو کوئی کرائے کا قاتل لگ رہا تھا جبکہ دوسرے صاحب کچھ معقول نظر آ رہے تھے۔ آپ کے آفس میں آئے تھے اور پھر آپ کی دراز میں سے انہوں نے ایک فائل نکال لی تھی، آپ چاہیں تو چیک کر کے دیکھ لیں۔ دراز میں آپ کی کوئی بہت ضروری فائل گم ہو گی۔" سارہ نے سکون سے اپنی بات مکمل کی۔ "اور میرا تو خیال ہے کہ آپ کو اپنی حفاظت کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کر لینا چاہیے۔ کہیں ایسا نہ ہو وہ آپ کو کوئی نقصان پہنچا دیں اس بدمعاش کے ہاتھ میں تو ریوالور بھی تھا۔" اب سارہ بی بی اپنی فطرت سے مجبور ہو کر نصیحتوں پر اتر آئیں تھیں۔

"میرے لیے آپ کی فکر مندی کا بہت بہت شکریہ۔" اچانک سارہ کو یوں لگا جیسے وہ اس کی طرف دیکھ رہا ہے اور یہ کہ اس کی آنکھوں میں اچانک بڑی خاص قسم کی چمک پیدا ہو گئی ہے۔

"ارے وہ اتنی دور سے مجھے کیسے دیکھ سکتا ہے۔" سارہ نے اپنا وہم نظر انداز کیا۔

"لیکن یہ جو میرے خیر خواہ اور ہمدرد صاحب ہیں انہوں نے کیا سلیمانی ٹوپی پہن کر یہ سارا منظر دیکھا تھا؟" وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ چکا تھا۔ اور سارہ نے سکون کا سانس لیا تھا وہ جو ابھی ابھی احساس ہوا تھا کہ وہ مجھے دیکھ رہا ہے، فوراً" ختم ہو گیا۔ اگر دیکھ لیا ہوتا تو اتنی جلدی یہاں سے نہ ہٹتا۔ دوسرے اس کی بات چیت سے بھی احساس نہیں ہو رہا، سارا نے دل ہی دل میں خود کو اطمینان دلایا۔

"آپ پلیز ان ساری باتوں کو رہنے دیں۔ اِن فیکٹ مجھے خود نہیں معلوم کہ انہوں نے یہ سب کیسے معلوم کیا۔" سارا نے اس کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا "اور پھر سب سے ضروری بات تو یہ ہے کہ آپ اپنے دشمنوں سے ہوشیار ہو جائیں۔ ان کی سازش کو ناکام بنا دیں بلکہ میرا خیال تو یہ ہے کہ آپ کو فوراً" پولیس کی مدد لینی چاہیے اور آپ کے یہ فہیم صاحب تو مجھے شروع دن سے مشکوک لگتے ہیں۔ پتا نہیں اتنے چاپلوس آدمی کو آپ نے کیوں رکھا ہوا ہے؟" سارا کو بولتے بولتے اچانک اپنی حماقت کا احساس ہوا تو جلدی سے بات سنبھالتے ہوئے بولی۔

"میرا مطلب ہے کہ......"

"جی جی، میں آپ کا مطلب اچھی طرح سمجھ گیا ہوں۔ آپ کو یہ سب میرے اس گمنام ہمدرد نے بتایا ہے۔" دوسری طرف پھر ہنس کر کہا گیا۔ پھر قدرے شوخی سے بات آگے بڑھاتے ہوئے وہ بولا۔

"خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے، اس پوری دنیا میں کم از کم ایک لڑکی میرا مطلب ہے، آدمی تو ایسا ہے، جو میرا

ہمدرد ہے جسے میری فکر ہے، جو میرے غم میں گھلتا ہے۔"

"جی نہیں، وہ کوئی گھل ول نہیں رہا۔" سارہ کو اس کی بے موقع شوخی بالکل نہیں بھائی۔ دوسری طرف اس نے بے ساختہ قہقہہ لگایا تھا۔

"اینی وے، آپ کا بہت بہت شکریہ اور میرے اس ہمدرد غم گسار اور دوست کا بھی بہت بہت شکریہ، آپ میری طرف سے اسے شکریہ ضرور کہہ دیجئے گا۔ اچھا اللہ حافظ۔" ریسیور رکھا جا چکا تھا۔ سارہ نے بھی کارڈلیس بیڈ پر رکھ کر آنکھیں موند لیں۔ اگلی صبح معمول کے مطابق وہ اپنی پیاری ٹیلی اسکوپ کو آنکھوں سے لگائے لگائے سامنے نظریں جما کر بیٹھ گئی تھی۔ مگر دس تو کیا گیارہ بج گئے وہ نظر نہیں آیا اگرچہ باقی کمروں میں چہل پہل نظر آ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے کہیں گیا ہوا ہو جب شام چار بجے تک وہ نظر نہیں آیا تو آخر تھک ہار کر اور مایوس ہو کر سارہ نے سوچا۔

پھر یہ مایوسی مزید کوفت اور جھنجلاہٹ کا باعث اس وقت بنی جب ڈاکٹر فاروق نے اس کا تفصیلی چیک اپ کرنے اور اس کے تازہ ترین ایکسریز کا معائنہ کرنے کے بعد یہ خوشخبری سنائی کہ کل اس کو اس قید خانے سے نجات ملنے والی ہے۔

"دیکھو بیٹا! خدا کا شکر ہے کہ تم اتنی جلدی ٹھیک ہو گئی ہو لیکن ابھی تمہیں بہت احتیاط کرنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ تکلیف دوبارہ شروع ہو جائے گی تمہیں زیادہ دیر بیٹھنا نہیں ہے جھک کر کوئی کام نہیں کرنا کسی قسم کا کوئی وزن نہیں اٹھانا۔ ہاں چلنے پھرنے اور لیٹنے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اگر تین چار مہینے تم نے مکمل احتیاط سے گزار لیے تو بس سمجھو فکر کی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ بڑی بے توجہی سے ڈاکٹر فاروق کا ہدایت نامہ سن رہی تھی۔ جبکہ ذہن تو اسی بات پر اٹکا ہوا تھا کہ کل اسے یہاں سے چلے جانا ہے۔

"اب جب میں یہاں سے جانا نہیں چاہتی تو جانے کو کہاں جا رہا ہے، جب رکنا نہیں چاہتی تھی تو زبردستی روک لیا گیا تھا۔ کاش میں کچھ دن اور یہاں رک سکتی۔" اسے اپنے اتنی جلدی ٹھیک ہو جانے پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ پھر اگلے دن بھی وہ اسے نظر نہیں آیا۔

"پتا نہیں وہ کہاں چلا گیا ہے۔ اس سے پہلے تو اتنے دنوں میں ایسا کبھی بھی نہیں ہوا۔" پیون نے صبح کھڑکیاں اور پردے تو حسب روایت کھول دیے تھے، مگر وہ اس کمرے کی رونق پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔

"کہیں اس کے دشمنوں نے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیا ہو۔"

"ہو سکتا ہے میرا فون سن کر اس نے سیکریٹری سے بازپرس کی ہو اور سیکریٹری اور اس کے ساتھیوں نے اس پر قاتلانہ حملہ کر دیا ہو۔" یہ خیال آتے ہی وہ بری طرح پریشان ہو گئی۔

اماں خوشی خوشی سامان سمیٹنے میں مصروف تھیں اور وہ سخت پریشان اور افسردہ سی بیٹھی ہوئی تھی۔ اماں کے لاکھ اصرار پر بھی اس نے کھانا نہیں کھایا۔

"پتا نہیں وہ کس حال میں ہو گا۔ یا اللہ اس کی حفاظت فرمانا اسے اس کے دشمنوں سے محفوظ رکھنا۔" خاموشی سے سر جھکائے وہ اس کے لیے دعائیں کرنے میں مصروف تھی۔ پھر جب اماں نے اسے چلنے کے لیے کہا تو اس کے کمرے پر آخری الوداعی نظر ڈالتے ہوئے اچانک اس کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

"کیا وہ چہرہ اب کبھی نظر نہ آئے گا؟" اماں نے پریشان ہو کر اس کی شکل دیکھی۔

"کیا ہوا بیٹا؟ کیا چلنے میں تکلیف ہو رہی ہے؟" وہ بے چاری اپنے حساب سے یہی سمجھی تھیں۔

"ہاں بہت تکلیف ہو رہی ہے۔" آنسو پیتے ہوئے اس نے جواب دیا۔

"اچھا ٹھہرو میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔" اماں جلدی سے باہر نکلنے لگیں۔

"خدا کے لیے اماں اب تو ان ڈاکٹروں سے میرا پیچھا چھڑوا دیجیے، میں تنگ آ چکی ہوں۔" وہ اماں کا

ہاتھ جو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھا ہوا تھا جھٹک کر باہر نکل گئی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"ابھی ابھی میرے سامنے وہ روتی ہوئی چلی گئی ہے اور زندگی میں پہلی مرتبہ مجھے اس بات کا احساس ہوا ہے کہ کبھی کبھی کسی کے آنسو بھی ہمیں خوشی فراہم کرنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ ان تین دنوں میں میری زندگی میں کس قدر خوشگوار تبدیلیاں آئی ہیں۔ میں خوش ہوں بے حد خوش۔ میں ولید حسن خان اس کنسٹرکشن فرم یعنی ایچ کے ایسوسیٹس کا مالک اور اپنے مرحوم والدین کی کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث۔ یہ فرم وغیرہ تو صرف میرا شوق ہے ورنہ بقول میرے دوستوں کے مجھے اتنی محنت اور مغزماری کرنے کے بجائے پوری دنیا کی سیاحت کے لیے نکل جانا چاہیے۔ خوب گھومنا، پھرنا، کھانا، پینا اور موج مستی کرنا چاہیے۔ مگر یوں بیٹھے بیٹھے باپ کے پیسے پر عیش کرنا میری فطرت کے خلاف ہے چنانچہ اپنی تعلیم اور شوق سے مناسبت رکھتی ہوئی فیلڈ کا میں نے انتخاب کیا ہے۔ این ای ڈی (N.E.D) یونیورسٹی سے سول انجینئرنگ کرنے کے بعد میں نے کیلی فورنیا سے اسٹرکچرل انجینئرنگ میں ایم ایس کیا ہے اور اب گزشتہ تین سالوں سے اپنی فرم کو چلا رہا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ بہت ہی قلیل مدت میں میری فرم نے اپنا ایک اچھا امیج بنالیا ہے۔ یہ شاید اب سے مہینے بھر پہلے کی بات ہے، جب ایک دن اپنے آفس میں کام کرتے کرتے اچانک مجھے یوں لگا۔ جیسے کوئی مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں نے سر اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا، مگر کوئی بھی نظر نہ آیا۔ میں نے سر جھٹک کر اور اس بات کو اپنا وہم سمجھ کر نظرانداز کردیا۔ مگر یہ احساس پھر بھی میرا پیچھا نہ چھوڑ سکا۔

اگلے روز خالد جو میرا خالہ زاد بھائی اور دوست ہے مجھ سے ملنے آیا تو میں نے اس سے اپنے وہم کا اظہار کیا۔ خالد نے حسبِ توقع میرا خوب مذاق اڑایا اور بولا کہ "ہوسکتا ہے تمہاری کوئی مرحومہ عاشق صاحبہ جو سامنے والے ہاسپٹل میں تمہارا نام لیتے ہوئے اس دارِ فانی سے کوچ کر گئی ہوں گی اور ان کی روح یہاں آس پاس بھٹکتی پھر رہی ہو۔" دراصل میرے اکلوتے اور صاحبِ جائیداد ہونے کی وجہ سے لڑکیاں ہر وقت میرے آگے پیچھے پھرتی رہتی ہیں اور خیر میں کوئی بہت پارسا اور درویش صفت انسان بھی نہیں ہوں۔ تھوڑی بہت بات چیت تو سب سے ہی کرلیتا ہوں مگر اس حد تک نہیں کہ کوئی غلط فہمی کا شکار ہوجائے۔ میرے دوستوں کو اس بات کا بہت شکوہ رہتا ہے کہ میری موجودگی میں ان کی دال نہیں گلتی اور لڑکیاں ان کو لفٹ نہیں کرواتیں۔

خیر یہ تو ایک الگ قصہ ہے، اس وقت تو میں اپنے وہم کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔ میرے اندر ایک خوبی (میرے خیال میں) یہ ہے کہ میرا مشاہدہ اور نظریں دونوں بہت تیز ہیں۔ میرے دوستوں کے بقول مجھے محکمۂ جاسوسی میں ہونا چاہیے تھا کیونکہ یہ خوبیاں وہاں بہت کاؤنٹ ہوتی ہیں۔ میں کسی سے صرف ایک مرتبہ مل کر اس کی شخصیت کے بارے میں جو رائے قائم کرتا ہوں، وہ کبھی غلط ثابت نہیں ہوتی۔ عام طور پر لوگوں کی پانچ یا چھ حس ہوتی ہیں، مگر میرا خیال ہے کہ میری شاید ساتویں حس بھی ہے۔ اس لیے اپنے اس وہم کو خالد کے مذاق اڑانے کے باوجود میں نظرانداز نہ کرسکا۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اردگرد کہیں کوئی نظر بھی نہیں آتا تھا۔

تین چار دن تو اسی ادھیڑبن میں گزر گئے اور پھر آخر کار مجھے یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اس بار میری ساتویں حس نے مجھے دھوکا دیا ہے اور یہ صرف اور صرف میرا وہم ہی تھا۔ اپنے ذہن سے اس خیال کو قصداً جھٹک کر میں نئے سرے سے اپنے معمولاتِ زندگی میں مصروف ہوگیا (اگرچہ دل ابھی بھی مطمئن نہ تھا)۔

یہ اب سے تین دن پہلے کی بات ہے، جب تسکین نے جو ہمارے آفس میں ٹیلی فون آپریٹر ہے مجھے بتایا کہ میری کسی کزن کا فون ہے۔ میں نے بات کروانے کے لیے کہا تو تسکین نے لائن ملادی۔ دوسرے طرف

... انجانی آواز سن کر میں نے سوچا کہ یہ میری کون کزن ہے؟ میرے دو مرتبہ ہیلو کہنے پر آخر کار خاتون ... رہا ہوئیں۔

ان کی بات سن کر میں نے ریسیور پٹخا اور انٹرکام پر ... نے تسکین کو خوب کھری کھری سنائیں۔ "آئندہ ... پوچھے بغیر کسی سے میری بات مت کروائیے گا۔ ... یہاں فارغ نہیں بیٹھا جو رانگ کالز اٹینڈ کرتا ... ہوں۔"

"سوری سر! آئندہ آپ کو شکایت نہیں ہوگی۔" وہ ... جاری میرے غصے سے خوفزدہ معافیاں مانگ رہی تھی۔ تسکین کو فارغ کرکے میں نے نئے سرے سے ... کام شروع کیا ہی تھا کہ میرے موبائل کی بیل بجنی شروع ہوگئی۔ تھوڑی دیر تو میں نظرانداز کرتا رہا پھر خیال آیا کہ کہیں کوئی ضروری فون نہ ہو۔ یہ سوچتے ہوئے میں نے کال ریسیو کی۔ دوسری طرف پھر وہی ... بے ڈھیٹ محترمہ موجود تھیں۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ محترمہ کو ایسی ایسی سناؤں کہ آئندہ اس طرح کی حرکتیں کرنا ہی بھول جائیں۔ مگر میری تربیت اور تہذیب مجھے اس بات کی اجازت نہیں دی چنانچہ گالیوں کو اپنے لبوں پر ہی روک کر میں نے بادلِ نخواستہ اس کی بات سننا شروع کی اس نے اتنے دلچسپ انداز میں فہیم صاحب کا حلیہ بیان کیا کہ مجھے مزہ آگیا۔

اچانک میرے ذہن میں جیسے جھماکا سا ہوا مجھے ایسا لگا۔ جیسے یہ لڑکی یہیں کہیں آس پاس ہی موجود ہے اور شاید مجھے دیکھ بھی رہی ہے۔

"اوہ تو میری ساتویں حس صحیح کہہ رہی تھی۔" میں ایک دم اپنی کرسی پر سے کھڑا ہوگیا اور صرف مصروف رکھنے کی خاطر اس سے باتیں کرنے لگا۔

باتیں کرتے کرتے میں کھڑکی میں آکر کھڑا ہوگیا اور بظاہر سرسری مگر بباطن گہری نگاہوں سے اپنے اطراف کا جائزہ لینے لگا۔ سامنے موجود ہاسپٹل اس کے دائیں طرف میڈیکل اسٹور، بائیں طرف گاڑیوں کا شوروم، اس سے آگے اسکول اور اسکول کے برابر میں کلینک۔ ایک نظر اپنے اطراف کا جائزہ لینے کے بعد میں نے سوچا کہ اس لڑکی کو لازمی طور پر اس ہاسپٹل میں ہی موجود ہونا چاہیے۔ اب میں نے اردگرد سے نظریں ہٹا کر مکمل توجہ کے ساتھ ہاسپٹل کا جائزہ لینا شروع کیا۔ میری اس تمام کارروائی کے دوران وہ میری باتوں کا جواب بھی دے رہی تھی جو میں بڑی غیر دلچسپی سے سن رہا تھا میری اصل دلچسپی تو محترمہ کی دریافت میں تھی۔ اس کی بات ختم ہونے پر کچھ اور وقت حاصل کرنے کے لیے میں نے اس سے کہا کہ وہ مجھے تفصیل سے ساری بات بتائے۔ جواب میں محترمہ پھر شروع ہوچکی تھیں اور میں اپنے کام میں مصروف تھا۔

اس کی تمام گفتگو میں جو بات مجھے سب سے اچھی لگی، وہ اس کی میرے لیے فکرمندی تھی۔ وہ بالکل انجان اور غیر لڑکی اتنی اپنائیت کے ساتھ کہہ رہی تھی کہ "آپ کو اپنی سیکوریٹی کا بھی کچھ نہ کچھ انتظام ضرور کرلینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو، وہ آپ کو کوئی نقصان پہنچادیں۔ اس بدمعاش کے ہاتھ میں تو ریوالور بھی تھا۔" زندگی میں پہلی بار میں نے کسی لڑکی کے لیے اپنے دل میں سوفٹ کارنر پیدا ہوتا ہوا محسوس کیا۔ ورنہ تو مجھے یوں لگتا تھا کہ میرے اردگرد موجود تمام لوگ مجھ سے نہیں میری دولت سے پیار کرتے ہیں اور یہ لڑکیاں جو ہر وقت میرے اردگرد منڈلاتی رہتی ہیں تو یہ صرف اور صرف دولت کے کرشمے ہیں۔

اس کی فکرمندی کے جواب میں، میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور ابھی میں سوچ ہی رہا تھا کہ اور کیا بات کروں جس سے گفتگو کچھ دیر اور جاری رہ سکے۔ اسی وقت اچانک مجھے ایک کمرے میں بیڈ پر نیم دراز ایک لڑکی نظر آئی مجھے لگا، یہی وہ لڑکی ہے کیونکہ اس کے چہرے پر شاید کیمرہ یا شائد ٹیلی اسکوپ تھی، ورنہ اتنے بڑے ہاسپٹل کے اتنے کمروں میں بے شمار لڑکیاں اور خواتین نظر آرہی تھیں۔ اس لڑکی کی آنکھوں سے لگی ٹیلی اسکوپ اور ہاتھ میں پکڑا ہوا فون مجھے شک میں مبتلا کر رہے تھے۔ درمیان میں کیونکہ اچھا خاصا فاصلہ

تھا، اسی لیے مجھے محترمہ بہت واضح تو نظر نہیں آرہی تھیں (باوجود اپنی انتہائی تیز نظروں کے) سب کچھ غیر یقینی سا تھا، مگر وہی میری مشہور زمانہ ساتویں حس مجھے بتا چکی تھی کہ یہی وہ لڑکی ہے۔

میں اسے ابھی یہ امپریشن نہیں دینا چاہتا تھا کہ اس کو دیکھ چکا ہوں اور یہ کہ اس کے جھوٹ کی قلعی کھل چکی ہے چنانچہ کھڑکی کے آگے سے ہٹ گیا اور اپنی سابقہ ٹون میں اس سے گفتگو جاری رکھی۔ مجھے سو فیصد یقین تھا کہ محترمہ کو معلوم بھی نہیں ہوا ہو گا کہ وہ پکڑی جا چکی ہیں۔

وہ بے چاری مجھے پولیس سے مدد لینے اور ہوشیار رہنے کی نصیحتیں کر رہی تھی، وہ تھوڑی بیوقوف بھی تھی اور میں ضرورت سے زیادہ چالاک اس لیے اس کی ان باتوں پر مجھے صرف اور صرف ہنسی آرہی تھی جسے میں ضبط کیے ہوئے تھا۔

اس دن تو مجھے سائٹ پر جانا تھا، چنانچہ خاتون سے متعلق تمام نیک خیالات کو پس پشت ڈال کر میں آفس سے نکل گیا۔ اب مجھے کیونکہ یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مجھے کون دیکھ رہا ہے اور کہاں سے دیکھ رہا ہے اسی لیے اپنا موبائل اٹھاتے، سن گلاسز لگاتے اور والٹ جیب میں ٹھونسنے میں بظاہر اپنے کام میں مصروف ہونے کے باوجود جانتا تھا کہ خاتون مسلسل مجھے دیکھ رہی ہیں اور اس بات پر حیران بھی ہو رہی ہیں کہ اتنے خوفناک انکشافات کے بعد بھی میں اتنے سکون سے ہوں۔

دراصل یہ فائل تو میں نے چوہے دان میں چوہے کو پھنسانے کے لیے استعمال ہونے والی روٹی کے طور پر خود ہی فہیم صاحب کے سامنے اچھے خاصے مشکوک طریقہ سے دراز میں رکھی تھی اور ان کو بتایا تھا کہ اس میں میرے بہت ہی ضروری اور خفیہ قسم کے پروجیکٹس کی تفصیلات موجود ہیں۔

اصل میں فہیم صاحب پر مجھے کافی عرصے سے شک تھا، مگر کوئی ثبوت ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ چنانچہ اپنے ایس پی دوست اختر گیلانی کے مشورے پر میں نے یہ حرکت کی۔ میرے دوستوں کے مقابلے میں دشمنوں کی فہرست بہت طویل ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں کوئی بہت برا اور جھگڑالو قسم کا آدمی ہوں بلکہ فساد کی جڑ وہی دولت ہے جس نے ازل سے انسان کو انسان کا دشمن بنایا ہوا ہے۔

میرے سگے چچا اور ان کا لاڈلا دن رات میرے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ ان کا بس چلے تو مجھے جان سے مارنے سے بھی گریز نہ کریں مگر جسے اللہ رکھے۔ میرے والدین کی دعائیں ہر مشکل میں میرے کام آتی ہیں اور مجھے ابلیس کے چیلوں سے بچاتی ہیں۔

اس مرتبہ انہوں نے فہیم صاحب کو خرید کر مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

اس بے چاری کو تو معلوم بھی نہیں ہو گا کہ جس رات وہ لوگ فائل چوری کر کے باہر نکلے تھے، پولیس نے ان تینوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کر لیا تھا۔ چچا بے چارے تو آج کل بیٹے کی ضمانت کے چکر میں پھر رہے ہیں اور رہے فہیم صاحب تو اس عمر میں غداری کی یہ سزا ملی ہے کہ نوکری سے تو ہاتھ دھوئے ہی ہیں عمر بھر کی ندامت اور رسوائی بھی خرید لی ہے۔

"محترمہ! بہت دن آپ نے ہمارا مطالعہ کر لیا۔ اب کچھ دن ہمیں بھی اپنی اسٹڈی کرنے دیجیے۔" اگلی صبح تیار ہونے کے بعد دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ میں نے الماری سے اپنی ٹیلی اسکوپ نکالتے ہوئے سوچا۔

یہ ٹیلی اسکوپ پچھلے سال میں نے اور عامر نے اکٹھے ٹوکیو میں ایک نمائش سے خریدی تھی۔ یہ خاصی منفرد اور پروفیشنل قسم کی ٹیلی اسکوپ ہے۔ دراصل مجھے سیاحت کا بہت شوق ہے اور سفر کے دوران اچھے سے اچھا کیمرہ اور بہترین ٹیلی اسکوپ رکھنا میری ہابی ہے۔ عامر نے بتایا تھا کہ وہ یہ ٹیلی اسکوپ اپنی بہن کو گفٹ کرے گا۔

"یہ اچانک تمہاری بہن کہاں سے پیدا ہو گئی؟۔" میں نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔ عامر تین بھائی ہیں، ان کی کوئی بہن نہیں ہے۔

"ہے تو وہ آمنہ کی فرینڈ مگر مجھے بالکل سگی بہنوں کی طرح عزیز ہے۔" عامر نے بڑے پیار سے۔ بہن صاحبہ

کر کیا تھا۔

"تم میری شادی پر یہاں نہیں تھے نا، ورنہ اسے ضرور جانتے۔ ہماری شادی پر اس نے خوب ہلا گلا کیا

تھا۔"

عامر کی جن دنوں شادی ہوئی میں اپنے ایم ایس میں مصروف تھا۔ اسی لیے وہیں کیلی فورنیا ہی سے گفٹ اور کارڈ بھیج دیا تھا۔ عامر میرا کالج فرینڈ ہے۔ ایک اچھا اور مخلص انسان اس دن اپنے معمول کے برخلاف میں ساڑھے آٹھ بجے ہی آفس پہنچ گیا۔

مجھے کیا کرنا ہے، یہ میں رات ہی پلان کر چکا تھا۔ اسی لیے اپنے آفس میں بیٹھنے کے بجائے برابر والے کمرے سیکریٹری آفس میں براجمان ہو گیا۔ فہیم صاحب تو ظاہری بات ہے پولیس کے مہمان ہیں اور فی الحال کوئی نیا سیکریٹری میں نے اپائنٹ نہیں کیا ہے، چنانچہ سامنے دیکھنے کے لیے یہ آئیڈیل جگہ تھی۔

اپنے اسٹاف سے میں نے کہہ دیا تھا کہ آج میں بہت "بزی" ہوں کوئی بہت ہی ضروری کام ہو تو آئیں، ورنہ بہتر ہے کہ مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔

کھڑکی کے اوپر پردے میں نے پڑے رہنے دیے صرف کنارے پر سے ذرا سی جگہ بنا کر ٹیلی اسکوپ کے لیے باہر کی طرف راستہ ہموار کیا اور کرسی پر آرام دہ حالت میں بے فکری سے بیٹھ گیا۔

سامنے نظر ڈالتے ہی جس چیز نے مجھے چونکایا وہ ٹیلی اسکوپ ہی تھی۔ اگرچہ یہ تو میں کل ہی دیکھ چکا تھا کہ وہ مجھے ٹیلی اسکوپ کے ذریعے دیکھا کرتی ہے مگر یہ تو ہو بہو میری ٹیلی اسکوپ جیسی تھی۔ پاکستان میں یہ ابھی اتنی عام نہیں ہوئی ہے، اس لیے میرا چونکنا بالکل فطری تھا۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ یہ عامر کی بہن صاحبہ ہی ہوں۔" میں نے خود کو ٹوکا۔ محترمہ کبھی کھڑکی کی طرف دیکھ رہی تھیں اور کبھی میرے آفس کی طرف۔ ان کے پاس ہی کھڑی ایک خاتون بڑی عاجزی سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ جن کی بات کا محترمہ جواب تک نہیں دے رہی تھیں۔

"اس کا مطلب ہے، محترمہ کافی موڈی اور بد دماغ واقع ہوئی ہیں۔" لائٹ بلو شلوار قمیص پہنے قدرے بکھرے بکھرے بالوں اور چہرے پر سارے جہاں کی بیزاری طاری کیے وہ کچھ جھنجلائی ہوئی لگ رہی تھی یہ تو سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ محترمہ کس مرض کا شکار ہیں مگر چہرے پر چھائی کمزوری اور بیزاری ظاہر کر رہی تھی کہ طویل بیماری سے اکتا چکی ہیں۔ قریباً" بارہ بجے وہ بالکل مایوس ہو کر ٹیلی اسکوپ ایک طرف رکھ کر آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔

اس کی بیزاری اور کوفت مجھے حیران کر رہی تھی۔

"کیا میں اتنا اہم ہوں کہ کوئی ہر وقت مجھے دیکھتا رہے اور جواب میں کچھ چاہے بھی نا۔" دو بجے وہ ضعیف خاتون تقریباً" خوشامد کر کے محترمہ کو کھانا کھلا رہی تھیں۔ محترمہ نے بڑا احسان کر کے چند لقمے لیے اور دوبارہ یہاں دیکھنے لگیں مگر افسوس۔ اس کے چہرے پر اتنے افسوسناک تاثرات درج تھے کہ ایک لمحے کو میرا دل چاہا کہ اپنے آفس میں اچانک داخل ہو جاؤں اور پھر دیکھوں کہ مجھے سامنے دیکھ کر کیسے رنگ اس کے چہرے پر آتے ہیں اپنی اس خواہش کو بڑی مشکل سے دبا کر میں وہیں بیٹھا رہا۔

اس روز میں نے لنچ بھی وہیں کیا۔ میرے نظر نہ آنے کی جھنجلاہٹ اب بڑی بیدردی سے نرس پر جو شاید ڈرپ لگانے آئی تھی اتر رہی تھی۔ پھر شام پانچ بجے بڑی مایوسی سے اس نے ٹیلی اسکوپ ایک طرف رکھ دی اور کوئی کتاب اٹھا کر پڑھنے لگی۔

آفس سے نکل کر میں نے ہسپتال کا رخ کیا۔ ویسے تو یہ کام میں اپنے کسی ماتحت سے بھی کروا سکتا تھا۔ مگر اس معاملے میں مجھے کسی اور کی شرکت ہرگز گوارا نہیں تھی۔ ذرا سی کوشش کے بعد ریسپشن پر ہی مجھے تمام ضروری معلومات حاصل ہو چکی تھیں۔ دو سو روپے رشوت دینے کے بعد نام سارہ افتخار، والد کا نام افتخار ہمدانی والد صاحب بائی پروفیشن بزنس مین، کار ایکسیڈنٹ میں بیک بون متاثر ہوئی تھی اور پیر میں معمولی نوعیت کا فریکچر ہو گیا تھا۔ گزشتہ ایک مہینے

سے یہاں ایڈمٹ تھی اور یہ کہ کل یہاں سے ڈسچارج ہونے والی تھی۔ گھر کا ایڈریس اور فون نمبر حاصل کرکے میں وہاں سے چلا آیا۔

پھر آج صبح بھی میں نے وہی کل والی حرکت کی یعنی پی اے کے آفس میں بیٹھ کر اسے دیکھتا رہا۔ آج وہ انتہائی بے چینی اور بے قراری کے ساتھ تھوڑی تھوڑی دیر بعد میرے کمرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔ پتا نہیں وہ اتنی پریشان کس بات پر ہے۔ بڑی بی بے چاری جلدی جلدی سامان سمیٹنے میں لگی ہوئی تھیں اور وہ کبھی کچھ سوچنے لگتی اور کبھی یہاں دیکھنے لگتی۔ اس کے کھانا نہ کھانے پر مجھے بہت افسوس ہوا۔ مگر مجھے کیونکہ شدید بھوک لگ رہی تھی اور خالی پیٹ تو عشق بھی اچھا نہیں لگتا چنانچہ خوب پیٹ بھر کر کھانا کھانے اور دو کپ چائے پینے کے بعد اسے دیکھا تو وہاں وہ ہنوز اداس بلبل جیسی شکل بنائے ہوئی تھی۔

"پتا نہیں محترمہ ایک مہینہ اتنے صبر سے مجھے کیسے دیکھتی رہی ہیں میں تو دو دن میں ہی اس سولھویں صدی کی زنانہ محبت سے تنگ آگیا ہوں۔" پھر ابھی تھوڑی دیر پہلے جب بڑی بی نے اس سے کچھ کہا تو وہ بہت دقت اور تکلیف سے کھڑی ہوئی۔

"شاید ابھی مکمل طور پر صحت یاب نہیں ہوئی۔" میں نے دل میں سوچا۔ بڑی بی نے اس کے ہاتھ میں کنگھا پکڑایا جسے اس نے غصے سے دور پھینک دیا۔ "یا اللہ رحم محترمہ کافی کڑوے مزاج کی حامل لگتی ہیں۔" میں نے دہل کر سوچا۔

دروازے کی طرف جاتے جاتے اس نے میرے کمرے پر آخری نظریوں ڈالی جیسے مجھے الوداع کہہ رہی ہو اور پھر اپنے چہرے پر سے آنسو صاف کرنے لگی۔ زار و قطار آنسو بہاتے وہ مجھے دنیا کی تمام لڑکیوں سے زیادہ حسین لگی۔ کیونکہ یہ آنسو خالصتاً "میرے لیے بہائے گئے تھے اور پھر ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ چلی گئی ہے بہت افسردہ اور بہت اداس۔

"بے فکر رہو میری جان! ہم عنقریب دوبارہ ملیں گے بلکہ اب تو انشاءاللہ ساری عمر ایک دوسرے سے ملتے رہیں گے۔" میں نے دل ہی دل میں اسے مخاطب کیا۔

خوشبو، بادل، چاند، ہوا
سارے اس کے ساتھ چلے

"آمنہ! میں نے ان دنوں تمہیں اتنا مس کیا ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی۔" وہ کچن میں سلاد بناتے ہوئے آمنہ سے مخاطب تھی۔

"میری جان! تم نہ بھی کہو تو مجھے معلوم ہے اور مجھے تو اتنا دکھ ہے کہ یہاں تم اتنے کرائسس سے گزر رہی تھیں اور میں وہاں آرام سے گھوم پھر رہی تھی۔" آمنہ نے بڑے دکھ سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں جانتی ہوں ساری دنیا میں ایک تم ہی تو ہو جو مجھ سے سچی اور بے لوث محبت کرتی ہو۔" سارہ نے یاسیت سے کہا۔

"اچھا اب یہ پیار محبت کا جذباتی سیشن ختم کرو، وہاں عامر بھوک سے بے حال مجھے گالیاں دے رہے ہوں گے اور آج تو انہوں نے کھانے پر ولی بھائی کو بھی بلایا ہوا ہے۔" آمنہ جلدی جلدی ڈش میں چاول نکالتے ہوئے بولی۔

"یہ ولی کب سے عامر بھائی کے دوست بن گئے۔" وہ شرارت سے پوچھ رہی تھی۔

"تم نہیں جانتیں انہیں بہت اچھے انسان ہیں۔" آمنہ اس کی شرارت نظرانداز کر گئی۔

"تم لوگ کتنے دن کے لیے آئے ہو۔" کھیر امنہ میں ڈالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"دیکھو، ابھی کچھ کہہ نہیں سکتے۔" آمنہ نے جواب دینے کے ساتھ اوون میں سے چکن نکالتے ہوئے کہا۔ "ویسے ہمارے آنے کا مقصد تو فری کا عقیقہ کرنا ہے امی وغیرہ کسی نے بھی ابھی تک اسے نہیں دیکھا تھا تو ہم نے سوچا کہ چلو پاکستان سب سے مل بھی آئیں اور لگے ہاتھوں عقیقہ بھی ہو جائے ہمیں تو خیر ایک آدھ مہینہ ضرور رکوں گی۔ عامر شاید جلدی چلے جائیں اچھا اب تم ذرا یہ ڈشیں ٹیبل پر پہنچانا شروع کرو۔" آمنہ نے سالن کا ڈونگا اور چاولوں کی ڈش اس کے ہاتھوں میں پکڑائی۔

"میں فری کو دیکھ لوں، کہیں جاگ نہ گئی ہو۔"

عامر اور آمنہ وغیرہ دو روز قبل ہی پاکستان آئے تھے اور ان سے ملنے سارہ ان کے گھر گئی ہوئی تھی۔ پھر جب آمنہ فری کو گود میں اٹھائے ڈائننگ روم میں آئی وہ ساری ٹیبل سجا چکی تھی۔

"واہ دوست ہو تو تم جیسی۔" آمنہ نے شاباشی دی۔ "جیو میری جان! اچھا اب ذرا اپنی بھانجی صاحبہ کو سنبھالو میں ان لوگوں کو کھانے کا کہہ آؤں۔" عامر کی امی بھی نماز پڑھ کر آچکی تھیں اور اب تینوں خواتین گفتگو میں مصروف عامر اور اس کے دوست کا انتظار کر رہی تھیں۔

"ارے سارہ! وہ میجر صاحب والے پروپوزل کا کیا ہوا؟" آمنہ چٹوری بیٹھے بیٹھے سلاد کھاتے ہوئے بولی۔

"ہونا کیا تھا میں نے منع کر دیا۔"

"لیکن کیوں؟ انکل تو اس کی اتنی تعریفیں کر رہے تھے۔" آمنہ کی حیرانی بجا تھی۔ جبکہ آنٹی فری میں مصروف خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھیں۔

"پاپا نے انہیں ڈنر پر انوائٹ کیا تھا۔ اتفاق سے میری لان میں ہی موصوف سے ملاقات ہو گئی۔ سارہ نے جواب دینا شروع کیا فرمانے لگے، جی میں میجر سکندر حیات ہوں۔ بس میں نے تو اسی وقت ریجیکٹ کر دیا۔ حد ہے چھچھورے پن کی بھی، خود اپنے آپ کو اپنے ہی منہ سے میجر کہہ رہے تھے۔ بھئی آپ کے عہدے کے لحاظ سے دیگر لوگ آپ کو پکاریں تو اچھا لگتا ہے انتہائی شوباز اور چیپ ہو نہ۔"

"لڑکی! تم کبھی نہیں سدھر سکتیں۔" آمنہ مایوسی سے بولی۔ ابھی وہ آمنہ کو کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ عامر کے ساتھ ولید کو اندر داخل ہوتا دیکھ کر وہ اگلی بات ہی بھول گئی۔

"آئیں ولی بھائی! بیٹھیں پلیز۔" آمنہ خوش اخلاق میزبان بن گئی تھی۔

عامر اور ولید دونوں نے ان کے سامنے والی کرسیاں سنبھال لی تھیں۔

"یہ سارہ ہے، میری چھوٹی سی پیاری سی بہن اور یہ ولید ہے میرا بہت پرانا دوست۔" عامر نے دونوں کا آپس میں تعارف کروایا۔

"نائس ٹو میٹ یو۔" ولید نے اس کی طرف دیکھا بہت سرسری نگاہوں سے۔

"می ٹو۔" بڑی پھنسی پھنسی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی جو شاید اس نے خود ہی سنی ہوگی۔

سب لوگ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔ آمنہ اور عامر ولید کی خاطر مدارت میں مصروف تھے۔

"ولی بھائی! تکلف بالکل نہیں چلے گا۔ میں نے خاص طور پر یہ چیزیں آپ کے لیے بنائی ہیں۔" آمنہ میزبانی کے فرائض سرانجام دے رہی تھی۔

"بھابھی! آپ فکر ہی نہ کریں، ایسا بے تکلف مہمان آپ نے زندگی بھر نہ دیکھا ہوگا۔" وہ اپنی پلیٹ میں چاول ڈالتا ہوا بولا۔

جب کہ وہ سر جھکائے خاموشی سے سلاد پلیٹ میں ڈال کر چمچ سے ادھر ادھر گھما رہی تھی اور کیونکہ وہ یہاں مہمان نہیں سمجھی جاتی تھی اس لیے کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہیں دی عامر آمنہ اور آنٹی تینوں ولید کے ساتھ باتوں میں مصروف تھے کافی دیر کے بعد جھکا ہوا سر اٹھا کر جو سامنے دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا وہ بظاہر آنٹی کی کسی بات کا جواب دیتے ہوئے دیکھ اسی کو رہا تھا چہرے پر بہت شوخ اور معنی خیز مسکراہٹ لیے۔

"یا اللہ یہ مجھے ایسے کیوں دیکھ رہا ہے جیسے پہلے سے جانتا ہو۔" سارہ نے ایک دم گھبرا کر سر دوبارہ جھکا لیا۔

"سارہ! کیا بات ہے، تم کچھ لے کیوں نہیں رہیں۔" عامر کی آواز پر اس نے سجدے میں گرا ہوا سر اٹھایا اور مری مری آواز میں بولی۔

"جی عامر بھائی! میں کھا رہی ہوں۔"

"خاک کھا رہی ہو، پلیٹ تو خالی پڑی ہے۔" وہ اس کی پلیٹ میں چاول ڈالنے لگا۔

"ولی! تم یہ چکن کڑاہی ضرور لینا' ہماری سارہ سے زیادہ مزیدار چکن کوئی نہیں بنا سکتا۔" عامر نے لگے ہاتھوں بالکل مشرقی ماؤں کی طرح سے اس کی بھی تعریف کی تو وہ جو کبابوں کی ڈش اٹھا رہا تھا' رکھ کر چکن کڑاہی اپنی پلیٹ میں ڈالنے لگا۔

"اب میں نے یہ بھی نہیں کہا تھا کہ چکن کے علاوہ کچھ اور چکھو بھی مت۔" عامر ولید سے مخاطب ہوا۔

"اس کے علاوہ کچھ اور کھانے کو دل ہی نہیں چاہ رہا' یہ میری زندگی کی مزیدار ترین چکن ہے۔" سارہ نے ایک دم سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا وہ بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"بہت مزے کی چکن بنائی ہے آپ نے۔" بظاہر سادہ سا فقرہ جیسے رسماً" ہی کسی کی تعریف کر دیتے ہیں۔ لیکن اس کا یہ سادہ سا فقرہ سارہ کو بہت معنی خیز محسوس ہوا۔ اس پر اس کی گہری مسکراہٹ وہ جواب میں شکریہ بھی نہیں کہہ پائی۔

"یہ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہا ہے۔" سارہ کو گھبراہٹ ہونے لگی تو اس نے آمنہ سے کہا۔

"لاؤ یہ فری کو مجھے دے دو۔ تمہیں کھانا نہیں کھانے دے رہی۔ میں اسے اندر کمرے میں لے جاتی ہوں۔" وہ کرسی چھوڑ کر کھڑی ہو گئی اور فری کو لینے کے لیے ہاتھ آگے بڑھایا۔ سامنے دیکھنے سے قصداً" گریز کیا۔

"تم نے ابھی کھانا تو ٹھیک سے کھایا نہیں ہے۔" آمنہ کا جواب حسبِ توقع تھا۔

"نہیں' بس مجھے زیادہ بھوک بھی نہیں ہے۔ بعد میں لگے گی تو کھا لوں گی۔" آمنہ کی گود سے فری کو لے کر وہ بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے میں داخل ہونے سے پہلے مڑ کر دیکھا تو وہ اسی کو دیکھ رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

گاڑی گیٹ کے سامنے رکی تو وہ گفٹ سنبھالتی آگے بڑھی۔

"خدا کرے میرا آج اس سے سامنا نہ ہو۔ اس کے دیکھنے کا انداز مجھے بری طرح نروس کر دیتا ہے۔ لیکن وہ میری طرف ایسے دیکھتا کیوں ہے؟ جیسے ہم پہلی بار نہ ملے ہوں بلکہ ہمارے درمیان بہت گہرے مراسم ہوں اور اس سے پہلے ہم بے شمار مرتبہ مل چکے ہوں۔ اس پورے ایک ہفتے کے دوران وہ یہ بات سینکڑوں بار سوچ چکی تھی۔

ہسپتال والے واقعات کا تو کوئی "رازدار" بھی نہیں ہے۔ یہاں تک کہ میں نے وہ تمام باتیں آمنہ کو بھی نہیں بتائیں اور زندگی میں پہلی مرتبہ کوئی بات ایسی ہے جو میں نے اس سے خفیہ رکھی ہے۔ نہیں یہ محض میرا وہم ہے بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہو گا کہ میرا گھبرانا دراصل چور کی داڑھی میں تنکے کے مصداق ہے۔ وہ خیالوں میں گم گیٹ کے سامنے کھڑی تھی جب اچانک اسے اپنے پیچھے قدموں کی اور پھر۔

"السلام علیکم" کی آواز آئی۔ وہ پیچھے مڑے بغیر بھی جانتی تھی کہ آنے والا کون ہے۔

"وعلیکم السلام۔" کہتی وہ جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔

"اور سنائیں' کیسی ہیں آپ؟" وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتا لان کی طرف آ گیا تھا جہاں فنکشن کا انتظام کیا گیا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں۔" کہتی وہ فوراً" آمنہ کی طرف بڑھ گئی جو بڑے خطرناک تیوروں سے اسے گھور رہی تھی۔

"یہ وقت ہے تمہارے آنے کا؟ خدا ایسی خالہ دشمنوں کو ہی دے۔ غضب خدا کا' اپنی بھانجی کے پہلے فنکشن پر مہمانوں کی طرح وقت کے وقت آتے تمہیں شرم نہیں آئی۔"

"اللہ کی نیک بندی مجھے سانس تو لے لینے دو' آتے ہی شروع ہو گئیں۔" وہ فری کو گود میں لے کر پیار کرتے ہوئے آرام سے بولی۔

پھر تقریب کے دوران اپنی عادت کے برخلاف وہ سکون سے ایک کرسی پر خاموشی سے بیٹھی لوگوں کو دیکھتی رہی۔ حالانکہ وہ آج اس دن کے برعکس اس کو مکمل طور پر نظر انداز کیے مختلف لوگوں سے باتوں میں

مشغول تھا۔

"عجیب مصیبت ہے۔ جب اس دن مجھے دیکھ رہا تھا تو میں پریشان تھی اور آج اگنور کر رہا ہے تو بھی اچھا نہیں لگ رہا۔"

وہ اپنی اس کیفیت پر خود سے ہی ناراض ہو گئی۔ پھر جیسے ہی کھانا شروع ہوا وہ الٹے سیدھے دو چار لقمے لینے کے بعد آمنہ کے پاس چلی آئی جو اپنے مہمانوں کو "اور لیں ناں" اور "اچھی طرح کھائیے گا پلیز" قسم کے فقروں سے نواز رہی تھی۔

"آمنہ! میں گھر جا رہی ہوں۔" اس کا خیال تھا ابھی آمنہ کے ساتھ گھنٹہ بھر بحث کرنی پڑے گی اور تب کہیں جا کر وہ اس کو گھر جانے کی اجازت دے گی مگر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب آمنہ بڑے اطمینان سے بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ مگر تم جاؤ گی کیسے۔؟" وہ آنکھیں پھاڑے آمنہ کو گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔

"ارے بھائی کہاں گم ہو گئیں؟۔" آمنہ نے اس کے آگے ہاتھ لہرایا۔

"کچھ نہیں اور یہ تم نے کیا کہا کہ میں جاؤں گی کیسے۔ جیسے آئی تھی ویسے ہی جاؤں گی بھی۔" وہ آمنہ سے کچھ روٹھے روٹھے لہجے میں بولی۔

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں' ابھی تھوڑی دیر پہلے رشید نے کہلوایا تھا کہ اس کو کوئی ایمرجنسی ہو گئی ہے اور وہ فوراً" اپنے گھر جا رہا ہے۔" آمنہ نے اس کے ناراض چہرے کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "خیر کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ تمہارے جانے کا ابھی انتظام ہو جاتا ہے۔" آمنہ تو لگ رہا تھا کہ کب سے اسے گھر بھیجنے کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

"ولی بھائی۔" آمنہ نے کچھ فاصلے پر کسی سے محوِ گفتگو ولید کو آواز دی۔

"جی بھابھی! فرمائیے۔" ولید فوراً" ہی ان صاحب سے معذرت کرتا ہوا ان لوگوں کی طرف آ گیا۔

"ابھی آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو جلدی جانا ہے۔" آمنہ نے اس سے پوچھا۔

"جی بھابھی! اصل میں آج مجھے ایک بہت ہی ضروری کام ہے ورنہ کچھ دیر اور رک جاتا۔" ولید نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سارہ کو وہ دونوں کچھ مشکوک سے محسوس ہوئے۔

"آپ پلیز مائنڈ مت کیجیے گا۔" وہ مزید گویا ہوا۔

"نہیں اس میں مائنڈ کرنے والی کون سی بات ہے میں تو یہ کہہ رہی تھی کہ سارہ کو بھی گھر جانے کی جلدی ہے۔ عامر تو ظاہر ہے اس وقت مہمانوں میں مصروف ہیں۔ آپ کو اگر زحمت نہ ہو تو اسے بھی ڈراپ کرتے جائیے گا۔" سارہ کا دل چاہا کہ آمنہ کا سر پھاڑ دے۔

"یہ آمنہ کی بچی ضرور میرے ہاتھوں ضائع ہو کر رہے گی۔" وہ کھولتے دماغ کے ساتھ یہ ساری باتیں سن رہی تھی اور ابھی انکار کرنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ بولا۔

"اس میں زحمت کی کیا بات ہے۔ آپ بہت تکلف کرتی ہیں۔" اسی وقت عامر بھی وہیں آ گیا۔

"اچھا یار! میں چلتا ہوں۔" ولید نے عامر کو مخاطب کیا "اگر جلدی نہ ہوتی تو میں کچھ دیر اور ٹھہر جاتا۔" وہ دونوں آپس میں ہاتھ ملا رہے تھے اور کوئی بات بھی ہو رہی تھی جو غصے میں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

اسے "آئیے پلیز" کہتا وہ آگے بڑھ گیا۔

"تم بھی کیا ولی کے ساتھ جا رہی ہو؟۔" عامر نے سارہ سے پوچھا تو اس سے پہلے آمنہ نے جواب دیا کہ۔

"ہاں یہ گھر جانے کے لیے کہہ رہی تھی۔ میں نے سوچا کہ ولی بھائی تو جا ہی رہے ہیں اسے بھی ڈراپ کر دیں گے۔"

"اچھا اچھا' چلو ٹھیک ہے۔ اور دیکھو اگلے ہفتے کسی دن ہم پکنک کا پروگرام بنا رہے ہیں' تمہیں ضرور چلنا ہے۔ کوئی بہانا نہیں چلے گا۔" عامر اور آمنہ غالباً" اسی کو سی آف کرنے کے لیے گیٹ کی طرف بڑھے تو ناچار اسے بھی ان لوگوں کی تقلید میں قدم آگے

بڑھانے پڑے۔ جبکہ وہ گیٹ پر کھڑا اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

آمنہ اور عامر دونوں کے رویے سارہ کو حیران کر رہے تھے۔ "یاالٰہی آج ان لوگوں کو ہوا کیا ہے؟" آمنہ ولید کے پاس کھڑی پتا نہیں کیا کہہ رہی تھی کہ وہ مسلسل مسکرائے جا رہا تھا۔ دل ہی دل میں ان دونوں سے ناراض ہو کر وہ بغیر خدا حافظ کہے آگے بڑھ گئی۔

"حد ہو گئی، مجھ سے پوچھا تک نہیں کہ میں ان کے ساتھ جانا چاہتی بھی ہوں یا نہیں اور خود ہی سب کچھ طے کر لیا۔" عامر اور آمنہ نے گیٹ پر کھڑے ہو کر خوب ہاتھ ہلا ہلا کر خدا حافظ کہا۔

ولید گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ برابر والی سیٹ کا دروازہ اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے بیٹھتے ہی ہاتھ بڑھا کر کھول دیا تھا۔ اسے لگا کہ دل پسلیاں توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ وہ یقین سے کہہ سکتی تھی کہ اتنی "کڑی" اس پر اب تک کی زندگی میں کبھی نہیں پڑی۔ وہاں اس کی اپنی "ٹیلی اسکوپ" بڑے آرام اور سکون سے تشریف فرما تھی۔

اس نے ایک دم چونک کر ولید کی طرف دیکھا وہ بڑی سنجیدگی سے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے اس سے قطعاً "لاتعلق گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ اسٹیئرنگ پر جمائے اس کے بیٹھنے کا منتظر آخر کار وہ بڑی ہمت کر کے ٹیلی اسکوپ کو ذرا سا آگے کھسکا کر اپنے لیے تھوڑی سی جگہ بنا کر سمٹ کر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ ہو گئی۔ وہ ایک نظر ٹیلی اسکوپ پر اور دوسری اس پر ڈال کر گم صم سی بیٹھی ہوئی تھی۔ جبکہ وہ اردگرد سے بے نیاز ڈرائیو کرنے میں مصروف تھا۔ ولید نے ہاتھ بڑھا کر کیسٹ پلیئر آن کیا تو جنید جمشید کی خوب صورت آواز چاروں طرف بکھر گئی۔

یہ شام پھر نہیں آئے گی
اس شام کو اس نام کو آؤ امر کر لیں

باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی ہو رہی تھی۔ اگر عام حالات ہوتے تو وہ اس خوب صورت موسم میں ڈرائیو کرتے ہوئے جنید جمشید کی آواز کو خوب انجوائے کرتی۔ مگر اب جب کہ برابر میں وہ منحوس رکھی ہوئی تھی وہ کیا خاک انجوائے کرتی۔

اگر آج صبح اس نے الماری میں اپنی ٹیلی اسکوپ رکھی نہ دیکھی ہوتی تو وہ یہی سمجھتی کہ یہ اس کی اپنی ٹیلی اسکوپ ہے۔ دونوں میں بال برابر بھی فرق نہیں تھا۔ سارہ نے ڈرتے ڈرتے پھر اپنے پہلو میں پڑی ٹیلی اسکوپ کو یوں دیکھا جیسے وہ کوئی خطرناک سانپ ہو۔

"اوہ آئی ایم سوری، مجھے خیال ہی نہیں رہا۔ اس کی وجہ سے آپ ٹھیک سے بیٹھ نہیں پا رہیں۔" ولید اچانک اس کی طرف متوجہ ہوا۔

اسے یوں لگا جیسے وہ حیران نظر آنے کی ایکٹنگ کر رہا ہے۔ ولید نے ٹیلی اسکوپ اس کے پاس سے اٹھا کر پچھلی سیٹ پر ڈال دی۔

"عامر بتا رہا تھا، بالکل ایسی ہی ٹیلی اسکوپ اس نے آپ کو تحفے میں دی تھی۔" بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا گیا۔

"جی۔" بہت مختصر جواب دے کر وہ خاموش ہو گئی۔

"سنا ہے، پچھلے دنوں آپ کافی شدید بیمار ہو گئی تھیں۔" "ویسے جس ہاسپٹل میں آپ ایڈمٹ تھیں، وہ بالکل میرے آفس کے سامنے ہی ہے۔ اس وقت اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ عامر کی بہن ہیں تو میں آپ کی عیادت کو ضرور حاضر ہوتا۔" سر جھکائے خاموشی سے بیٹھی وہ اس کی آخری بات پر چونک گئی۔

"اس وقت۔" "یہ کس وقت کی بات کر رہا ہے۔" سارہ کو یوں محسوس ہوا جیسے وہ اس کے ساتھ چوہے بلی کا کھیل، کھیل رہا ہے۔ اس نے ایک دم سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

بظاہر سنجیدہ چہرہ، مگر آنکھیں مسکراتی ہوئی۔ جیسے اسے زچ کر کے خوب حظ اٹھایا جا رہا ہو۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔" آخر کار سارہ نے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

"میں تو صرف اس بات کا افسوس کر رہا ہوں کہ آپ کی مزاج پرسی کو نہ آ سکا۔" وہ بڑی معصومیت سے بول رہا تھا۔

مسلسل ذہنی کشمکش سے تنگ آ کر ایک دم پھٹ وہ پڑی۔ "آپ خوامخواہ زیادہ معصوم مت بنیں اور اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ میں وہاں ہاسپٹل میں بیٹھ کر ٹیلی اسکوپ سے آپ کو دیکھا کرتی تھی تو یہ آپ کی خوش فہمی ہی ہو سکتی ہے۔ میرا دماغ نہیں خراب اور نہ ہی آپ کوئی راجہ اندر ہیں، جو میں آپ کو دیکھتی۔ وہ تو میں ہاسپٹل میں پڑے پڑے بور ہوتی تھی تو کبھی کبھار ٹیلی اسکوپ سے روڈ پر یا ادھر ادھر دیکھ لیا کرتی تھی۔"

جواب میں اس کا قہقہہ بڑا بے ساختہ تھا۔

"خالد ٹھیک کہتا ہے، مجھے سی۔ آئی ڈی میں ہونا چاہیے تھا اور یہ کہ میرے سامنے بڑے سے بڑا "مجرم" فوراً "اقبالِ جرم کر لیتا ہے۔" وہ مزے سے بول رہا تھا۔

اچانک اسے احساس ہوا کہ وہ حماقت کا کتنا عظیم الشان مظاہرہ کر گئی ہے۔ اپنی حماقت، جلد بازی اور غصے پر سوائے کفِ افسوس ملنے کے اب کیا ہو سکتا تھا۔ اس کی حالت بالکل ایسی تھی جیسے کوئی اناڑی چور اپنی پہلی ہی چوری پر رنگے ہاتھوں پکڑا جائے۔

گاڑی چلتے چلتے رک چکی تھی اور اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ جادو کے زور سے کہیں گم ہو جائے۔ اپنے آپ پر دل بھر کر شرمندگی ہو رہی تھی۔ کافی دیر اس کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد ولید نے گاڑی دوبارہ اسٹارٹ کر دی۔ کافی دیر گاڑی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ بہت دیر بعد خیال آیا تو وہ چونک کر اردگرد دیکھتے ہوئے سوچنے لگی "یہ کہاں جا رہا ہے؟"

"یہ آپ کہاں جا رہے ہیں۔" جو سوچا وہ بول بھی دیا۔

"آپ نے اپنا ایڈریس بتایا ہی نہیں۔ میں سمجھا، آپ کا موڈ شاید میرے ساتھ لونگ ڈرائیو پر جانے کا ہے۔ اس لیے خاموشی سے گاڑی چلاتا رہا۔ کہیے اب کہاں چلوں۔" وہ بڑی شریر مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"آپ کا مطلب کیا ہے؟" خاندانی غصہ پھر اس پر حاوی ہوا۔

"کچھ نہیں، میں صرف یہ پوچھ رہا تھا کہ اب کہاں چلنا ہے۔" ایک دم ڈر کر جواب دیا گیا۔

"میں آپ کو ایک اچھا انسان سمجھتی تھی، مگر افسوس میرا مشاہدہ غلط ثابت ہوا۔" وہ بڑے دکھ سے بولی تھی۔

"یہ کب کی بات ہے؟ میرا مطلب ہے جب آپ مجھے اچھا انسان سمجھا کرتی تھیں۔" سارہ کے کس بل ایک دم نکل گئے۔ جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔ کافی دیر بعد اس نے ولید کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا۔

"مگر تمہارے بارے میں میرا مشاہدہ بالکل بھی غلط ثابت نہیں ہوا، میں نے تمہیں جیسا سمجھا تھا۔ تم بالکل ویسی ہی ہو۔ کچھ کچھ بیوقوف، تھوڑی ضدی اور بہت پیاری۔" وہ شرارت سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"تمہارا نام اور ویٹر اباؤٹس میں نے تو ہاسپٹل سے معلوم کیے تھے۔ لیکن میرا نام، فون نمبر یہاں تک کہ موبائل نمبر تمہیں کہاں سے ملا۔ یہ سوال خاصا غور طلب ہے۔" اور وہ جو لفظ پیاری پر حیران سی بیٹھی ہوئی تھی ایک دم چونک گئی۔

"آپ مجھے کب سے جانتے ہیں۔" بڑی بے صبری سے پوچھا گیا۔

"میں تمہیں جانتا ہوں اور مجھے اس بات پر تمہاری طرح کوئی شرمندگی بھی نہیں ہے کہ مکر جاؤں۔" وہ ہنس کر بولا۔

"لیکن آپ نے مجھے دیکھا کیسے؟" وہ ابھی بھی حیران تھی۔

"پہلے تم بتاؤ۔ تم نے میرا فون نمبر کہاں سے لیا۔" بڑی بے نیازی دکھائی گئی۔

"کیسا نمبر؟ میرے پاس کوئی آپ کا فون نمبر ومبر نہیں ہے۔" سارہ صاف مکر گئی۔

"اچھا۔" بڑا معنی خیز قسم کا اچھا تھا "میں خوامخواہ

اتنے دن یہ سمجھتا رہا کہ وہ پیاری سی، من موہنی سی لڑکی تم ہو جس کی آواز فون پر سن کر میں نے سوچا تھا کہ اس سے اچھی آواز اور کسی کی ہو ہی نہیں سکتی۔" اپنی اتنی خوب صورت تعریف پر وہ ایک دم بول پڑی۔

"میں نے اماں کو بھیج کر روڈ پر سے آپ کا وزیٹنگ کارڈ منگوایا تھا۔ جو شاید آپ کے والٹ سے گر گیا تھا۔" حسبِ معمول بولنے کے بعد احساس ہوا کہ جوش میں کیا بول دیا ہے، جب کہ وہ بڑی دلچسپی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ جھنجھلا کر رہ گئی۔

کتنا چالاک ہے یہ۔ کتنے آرام سے سب کچھ اگلوایا اور مجھ سے بڑا بیوقوف اس دنیا میں کوئی نہ ہو گا۔ اچانک اسے شدید قسم کا غصہ آنا شروع ہو گیا۔

"مجھے گھر جانا ہے۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی "آپ براہ مہربانی مجھے میرے گھر ڈراپ کر دیجیے۔"

ولید نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر شدید قسم کی خفگی کے آثار نظر آئے۔ کھڑکی سے باہر دیکھتی وہ سخت غصے میں بیٹھی تھی۔

باہر اب زور و شور سے بارش ہو رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی گاڑی اس کے گیٹ کے آگے رکی تو وہ ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکلنے لگی۔

"سنو۔" اس کی آواز ابھری۔

سارہ نے رک کر ایک دم اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر موجود تاثرات نے اس کو بوکھلا دیا اور وہ جو اس کا خیال تھا کہ وہ کبھی مشرقی فلمی ہیروئنوں کی طرح شرما ورما نہیں سکتی۔

"بڑی بے مروت لڑکی ہو۔ اپنے گیٹ پر سے یونہی لوٹا رہی ہو۔ نہ چائے کی آفر نہ اندر آنے کی دعوت۔ خیر اس بد اخلاقی پر میں نے تمہیں معاف کیا۔" بولتا بولتا اچانک وہ پیچھے مڑا اور گاڑی کی پچھلی سیٹ پر رکھا ہوا، پھولوں کا خوب صورت گلدستہ اس کے ہاتھوں میں تھمایا۔

"میری خواہش ہے کہ اگلے ویلنٹائن ڈے پر تم بھی مجھے پھول ضرور دو۔" پھول ہاتھ میں لیے وہ بھاگتی ہوئی گیٹ میں داخل ہو گئی۔

ماما نے اسے تیز قدموں سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے حیران ہو کر دیکھا۔ اپنے کمرے میں رک کر دو چار گہرے گہرے سانس لینے کے بعد اس نے غور سے دیکھا تو خوب صورت سرخ گلابوں کے بکے پر ایک پیارا سا کارڈ لگا ہوا تھا۔ کھول کر دیکھا تو اندر صاف ستھری ہینڈ رائٹنگ میں لکھا ہوا تھا۔

خوشبو کی پوشاک پہن کر
کون گلی میں آیا ہے
کیسا یہ پیغام رساں ہے
کیا کیا خبریں لایا
کھڑکی کھول کے باہر دیکھو

موسم میرے دل کی باتیں، تم سے کہنے آیا ہے۔

اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ باہر تیز بارش میں گاڑی سے ٹیک لگائے اپنے بھیگنے کی پروا کیے بغیر وہ بڑے یقین سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے اسے معلوم تھا کہ وہ ضرور ہی کھڑکی کھول کر دیکھے گی۔

اسے دیکھ کر وہ بہت بھرپور انداز میں مسکرایا تھا۔ اور پھر ہاتھ ہلاتا اپنی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ موسم اچانک ہی بہت خوب صورت لگنے لگا تھا۔

"یہ بارش، یہ ویلنٹائن ڈے اور سب سے بڑھ کر یہ ٹیلی اسکوپ مجھے زندگی بھر یاد رہے گی۔" اس نے بڑی طمانیت سے سوچا تھا۔